D. A. Hallison
Quetan Khanel
1/324 Vikam
Gomoti Nagal
Luck NO w 226010
UP

Km 631

زندگی ہو گئی تقسیم کہاں کب کیسے
وقت کے جوڑ کو لمحوں سے گھٹا کر دیکھو

گوہرؔ سہارنپوری

زندگی

Secretary
Brain colony
SRINAGAR
191121

Surender Prasad Gowher
Saharanpur
21.11.2000

مُصنّف:

سریندر پرشاد گوہر

ایم۔اے۔(اُردو)

نام کتاب : "زندگی" شعری مجموعہ
مصنف : سریندر پرشاد گوہر۔ ایم۔ اے۔ (اردو)
سن اشاعت : ۱۹۹۸ء
تعداد : ۵۰۰
صفحات : ۱۲۸
قیمت : ۵۰/روپیہ (پچاس روپیہ)
طباعت : محبوب آفسیٹ پریس دیوبند
بارِ اوّل : پہلا شعری مجموعہ
کمپیوٹر کتابت : (محمد لقاء الرحمٰن گلاب) مرکز المعارف برانچ دیوبند

ملنے کا پتہ :
سریندر پرشاد گوہر۔ ہرگوبند بھون
چوک ہرن ماران، سہارنپور



شریمتی کسم لتا گوئل

سریندر پرشاد گوہر

ایم۔اے۔(اردو)

"انتساب"



محترمہ کسم لتا گوئل

جس نے زندگی کی لطافت سے آشنا کیا
اور محبت اور خلوص کا عظیم سرمایہ مجھے بخشا
ہر ہر قدم پر میری حوصلہ افزائی کی اور "زندگی" کے
نشیب و فراز سے باخبر کیا، میں اپنی زندگی کا یہ ادبی اور شعری خزانہ

"زندگی"

ادبی، معاشرتی، اقتصادی و فکری سفر میں زندگی کی اس خوشگوار
دھڑکن کے نام منسوب کرتا ہوں جس کا نام کسم لتا ہے
اور میری زندگی کی شریک سفر ہے۔

سریندر پرشاد گوہر

نذرانۂ عقیدت





جناب ہرگوبند پرشاد اور محترمہ درو پدی دیوی
میرے والدین جن کی پرورش اور خون پسینہ کی
ایک ایک بوند میرے جسم میں پیوست ہے۔ جن کی
ان تھک کوششوں اور لگن سے میں اس مقام تک آسکا
میں ان کے قدموں میں عقیدت کے پھول پیش کرتا ہوں۔

پھول شاخوں سے ٹوٹ جاتے ہیں
ان کی خوشبو کبھی نہیں مرتی

سریندر پرشاد گوہر

فہرست غزلیات

"گوہر کی زندگی اور شاعری"

شیخ سلیم احمد

سریندر پرشاد گوہر

اشعار تخلیق عمل اور تجربہ کی بھٹی سے گذر کر فنی یادوں میں ڈھلتی ہیں۔ایک طرح سے وہ نئی شکلوں میں دوبارہ جنم لیتی ہیں گوہر کی شاعری پر سرسری نظر ڈالنے پر ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کے یہاں خداداد وہ تخلیقی صلاحیت ہے اور تجربہ کی وہ آنچ بھی جو خیال کو شعروں میں ڈھالتی ہے۔ذات کا کرب پوری عصری بصیرت کے ساتھ ان کی شاعری میں موجود ہے شاعری بالخصوص اچھی شاعری طاقت اپنی تہذیب اور مٹی سے کشید کرتی ہے اس لیے شاعری کو سمجھنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے سماج کو تہذیبی قدروں کو جاننا بہت ضروری ہے گوہر کا کلام محض تخیل آرائی نہیں بال کی کھال نکالنا بھی نہیں۔وہ شعر برائے شعر نہیں کہتے ہیں بلکہ شعر گوئی ان کی مجبوری وہ الوہی ملکہ ہے جو انہیں شعر کہنے پر مجبور کرتا ہے۔اس لیے ان کی شاعری ان کی اپنی زندگی اور اس سماج کا آئینہ ہے جس مین سانس لے رہے ہیں وہ ان کی جڑیں اپنی دھرتی میں بہت گہری ہیں یہی وجہ ہے ان کا انداز اور بیان ان کی لفظیات ان کے محاورے واستعارے وتشبیہات ان کے ماحول سے ابھرے ہیں۔ وہ مصنوعی معلوم نہیں ہوتے۔ان کے یہاں جو اثر آفرینی ہے اس کا راز بھی یہی ہے کہ وہ تصنع وبناوٹ سے کام نہیں لیتے۔دھرتی اور زندگی سے وابستگی کیوجہ سے مٹی اور زندگی کی سوندھی سوندھی خوشبو سے ان کا کلام مہک رہا ہے۔اپنے شعری مجموعہ کا نام "زندگی" انہوں نے بالکل صحیح ہی رکھا ہے۔یہ نام بھی جدت اور گہری معنویت کا حامل ہے۔

گوہر ایک سچے کھرے درویش صنعت اور مرنجامرنج انسان ہیں ان کے شعر بھی انہی کی طرح سادہ اور پراثر ہیں، ان میں سوز وگداز اور درد وکرب ہے۔

ہر اینٹ ساتھ چھوڑ رہی ہے مکان کا
دیوارودر پہ ٹیک لگاؤں کہاں کہاں

یہ شعر ہمارے سماج کے لاکھوں کروڑوں غریب و مفلس لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بن گیا ہے وہ مکان جس کی دیواریں گر رہی ہیں اور شاعران دیواروں کو حسرت ویاس سے گرتے دیکھ رہا ہے۔ بے بسی لاچاری ومایوسی کا عجب عالم ہے۔ یہ گرتا ہوا گھر کسی ایک فرد کا نہیں۔اس شعر میں معاشرہ کی سچی تصویر کشی کی گئی ہے یہ گرتی دیواریں وہ قدریں ہیں جو ایک ایک کر کے ہمارا ساتھ چھوڑ رہی ہیں۔ یہ گھر وہ سڑا گلا نظام ہے جو کھنڈر میں تبدیل ہو رہا ہے اور ہر درد مند دل رکھنے والا بے بسی سے صالح قدروں کو پامال ہوتے دیکھ رہا ہے۔یا یہ شعر دیکھئے۔

ارتھی اٹھائے پھرتا ہوں میں اپنے نام کی
شمشان مل گیا ہے مگر لکڑیاں نہیں

یہ محرومیوں کا سماج ہے دن میں خواب دیکھنا حسرتوں و تمناؤں کی خیالی جنت تعمیر کرنا ہندوستانی مزاج کا خاصہ ہے۔مگر گوہر کے یہاں زندگی اس درجہ دکھوں سے بھری ہے کہ انسان خواب تک دیکھنے کی صلاحیت کھو چکا ہے اور وہ اپنی ہی لاش کو اپنے کندھوں پر اٹھائے گھوم رہا ہے اور یہ کیسا بھیانک المیہ ہے کہ وہ اس بوجھ کو کندھوں سے اتار کر بھی نہیں پھینک سکتا۔

اچھی شاعری المناک Tragic ہوتی ہے چونکہ زندگی کی اساس بھی المیہ پر ہوتی ہے۔ ہر وہ دل روح سے جو پیدا ہوتی ہے ایک دن اسے اس جہاں رنگ و بو سے چلے بھی جانا ہے۔ مہاتما بدھ نے تو جنم کو ہی تمام دکھوں کی جڑ قرار دیدیا ہے المناکی گوہر کی شاعری کا غالب عنصر ہے۔ان کے یہاں غم والمناکی کی یہ لے فطری انداز سے زندگی کا نوحہ وماتم بن کر ابھری ہے۔

ماحول صاف ستھرا بناؤں کہاں کہاں
بنجر زمیں میں پھول اگاؤں کہاں کہاں

گوہر جہاں محرومی اور بے بسی کا نوحہ سناتے ہیں۔جب وہ بنجر زمین کی بات کرتے ہیں تو ان کے سینے میں بنجر زمین میں پھول اگانے کی موہوم تمنا بھی انگڑائی لیتی ہے۔وہ گھور تاریکی میں امید کی کرن بھی دکھاتے ہیں۔ان کے یہاں ابھی حوصلہ پست نہیں ہوا۔ایک ارمان ہے کہ کاش وہ زندگی کی سنگلاخی کو سرسبز و شاداب گلزاروں میں بدل سکتے ہیں۔وہ بھٹکے مسافروں کے لیے خضر راہ کا رول بھی ادا کرنا چاہتے ہیں۔

بے بسی ولاچاری جب حد سے بڑھتی ہے تو شعر طنز کے تیر و نشتر بن جاتے ہیں۔ گوہر نہ،

دات کی ناآسودگیوں پرطنز کرتے ہیں بلکہ سماج کی ملمع کاری پر بھی تیکھاوار کرتے ہیں۔

منصف کی آنکھ لگ گئی قانون سو گیا
وہ بے قصور اپنی سزا پوچھتا رہا

یہ شعر پڑھ کر شہرہ آفاق ادیب کافکا کے ڈرامہ مقدمہ (Trial) کے منظر نگاہوں کے سامنے گھوم جاتے ہیں۔ گوہر مذہبی ریاکار پیشواؤں کو بھی نشانہ ملامت بناتے ہیں۔

ایماں کا درس دیتے رہے دیں کے پاسباں
ایمان فروش نقرئی سکوں میں ڈھل گئے

خود اپنی عمر گریزاں کو کیسی بے ساختگی اور خوبصورتی سے طنز کا نشانہ بنایا ہے:

میں تو پھر مطلع سنانے کے لیے بے تاب ہوں
زندگی مجبور کرتی ہے کہ اب مقطع پڑھو

جسمانی اعضا بھلے ہی جواب دے رہے ہوں، ہمت و حوصلہ تو باقی ہے بقول غالب:

گو ہاتھ کو جنبش نہیں، آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

شاعر اگرچہ مصلح یا رہنما نہیں ہوتا مگر اس کے یہاں خوب سے خوب تر کی تلاش، زندگی کو آئینہ دکھانے حسن و سچائی کی جستجو اسے کہیں نہ کہیں مصلح کے منصب پر بھی فائز کر دیتی ہے شاعری محض لطف اندوزی یا تفریح کا ذریعہ نہیں، جب وہ مقصد سے ہم آہنگ ہوتی ہے تو پیغمبری کے مرتبہ پر فائز نظر آنے لگتی ہے۔ بڑا شاعر تو پیغمبر ہی ہوتا ہے۔ وہ ذہنی انقلاب کے لیے زمین ہموار کرتا ہے۔ گوہر کے بارے میں میری یہ رائے ہے کہ ان کی شاعری محض تفنن طبع کا وسیلہ نہیں بلکہ مقصد حیات بھی ہے جس کی وجہ سے ان کی شاعری اعلیٰ و ارفع منصب پر فائز ہو جاتی ہے۔ ان کے یہاں صالح و صحت مند شاعری کی جھلکیاں جگہ جگہ نظر آتی ہیں۔

ہمارے معاشرے کی یہ بڑی خرابی ہے کہ یہاں انسان کی عظمت اس کی شہرت اور اس کے منصب و مادی وسائل سے ناپی تولی جاتی ہے۔ بڑے شہروں میں ایسے بھی معمولی ادیب و شاعر ہیں جو اپنی دولت و سائل اور پبلک (Relationing) کی بیساکھیوں کے سہارے شہرت و عزت کی بلندیوں کو چھو رہے ہیں۔ چھوٹے شہروں میں ایسے باکمال لوگ بھی مل جائیں گے جو محض مادی

وسائل سے نہ ہونے سے گمنامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں شاید گوہر کو زیادہ وسیع میدان ملا ہوتا توان کی صلاحیتیں زیادہ اجاگر ہوتیں اور انکا شمار چند ممتاز شاعروں میں ہوتا۔

گوہر ریلوے سروس میں تھے۔ سرکاری ملازمت گھریلو زندگی کی ذمہ داریاں بچوں کی پرورش ان کی تعلیم وتربیت جیسا کہ نظر آتا ہے انہوں نے ان تمام ذمہ داریوں کو بخیر وخوبی نبھایا بھی ہے۔ مگر چکی کی اس مشقت کے ساتھ اپنے اندر کے شاعر کو مرنے نہیں دیا۔ شاعری کو دوئی کی ادا پسند نہیں۔ وہ بلاشرکت غیرے ہمہ وقت توجہ چاہتی ہے۔ گوہر کا یہ بڑا کارنامہ ہے وہ آندھیوں میں بھی شاعری کا چراغ جلائے رہے نہ صرف یہ بلکہ شہر کی ادبی سرگرمیوں سے وابستہ رہے۔ انجمنوں کے صدر وسرپرست کی حیثیت سے سہارنپور جیسے کاروباری بے گیاہ شہر میں شاعری کے گل بوٹے کھلاتے رہے۔

ان کا یہ مجموعہ کلام "زندگی" امید ہے کہ اہل ادب کے بیچ پذیرائی حاصل کرے گا اس مجموعہ سے چند اشعار یہاں نقل کرتا ہوں جو مجھے پسند ہیں۔

پھیری والا بیچتا ہے سب کھلونے ایک دام
چاہے گوتم، چاہے عیسیٰ چاہے سیتا رام لو

جس جگہ کا رنگ پھیکا تھا چھپا کر ہاتھ سے
اپنی چادر کے سبھی اوصاف گنواتا رہا

مزدور ہوں، میں بھوکا بھکاری نہیں کوئی
اجرت مجھے نہ دیجئے خیرات کی طرح

دھوپ چھاؤں کی لاٹھی لیکر اونچے اونچے راستوں سے
عمر کی لمبی ڈور پکڑ کر تیرے گھر آپہنچے ہم

یہ دل کا مقبرہ ہے کہ زندانِ آرزو
میں آگیا کہاں کہ کہیں کھڑکیاں نہیں

ان شعروں میں کیسی سادگی وملامت ہے۔ واردات قلبی کو سیدھے سادھے انداز میں بیان کردیا ہے جو سیدھے دِل پر اثر کرتے ہیں یہی سادگی پرکاری اور اثر آفرینی اس مجموعہ کلام کی غالب خصوصیت ہے۔

"گوہر میری نظر میں"

سریندر پرشاد گوئل (گوہر) سہارنپور شہر کے ایک ممتاز و معزز گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں خاندان کے سبھی لوگ اعلی تعلیم یافتہ اور سماج میں ایک خاص مقام رکھنے والے ہیں خود گوہر صاحب رٹائرڈ اسٹیشن ماسٹر ہیں اردو میں ایم۔اے کیا ہے۔

"پھل دار درخت ہمیشہ جھکتا ہے" اسی لیے گوہر صاحب انتہائی منکسر المزاج با اخلاق اور سیدھے سادہ انسان ہیں۔زمانہ سازی انہیں نہیں آتی ظاہر و باطن ایک سا ہے۔

بحیثیت شاعر گوہر صاحب فطرتاً شاعر ہیں جو کچھ دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں وہ ان کی شاعری ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں موجودہ سماجی سیاسی اور اخلاقی بے راہ روی جگہ جگہ ابھر کر سامنے آتی ہے جیسے۔

ایمان کا درس دیتے رہے دیں کے پاسباں
ایماں فروش نقرئی سکوں میں ڈھل گئے

موج کر موج اڑا، موج کی باتیں کر لے
آئینہ ٹوٹ گیا چہرہ دکھانے والا

اربابِ چمن غنچہٗ و گل تم کو مبارک
آنگن میں ہمارے بھی بہت پھول کھلے ہیں

بچے کی گیند، ماں کی دوا،اس کا دوپٹہ
اے زندگی میں تیرے لیے کیا خرید لوں

ٹی - وی پہ آرہی ہے نئی فلم [illegible] کی
بچوں کو اپنے پاس بٹھاؤں [illegible] طرح

جو پلے ہوں بھوک اور افلاس کی آغوش میں
ایسے بچوں کے لیے پریوں کے افسانے کہاں

منصف کی آنکھ لگ گئی قانون سو گیا
وہ بے قصور اپنی سزا پوچھتا رہا

کسی کو مل گئے پتھر کسی کو مل گے گوہر
وصیت کرنے والا مر گیا، تحریر باقی ہے

پھیری والا بیچتا ہے سب کھلونے ایک دام
چاہے گوتم، چاہے عیسیٰ چاہے سیتارام لو

وہ خریدا نہیں جاسکا
کتنے سکے اچھالے گئے

گوہر صاحب کی شاعری کو "ادب برائے زندگی" کی نمائندہ شاعری کہا جاسکتا ہے جو زبان بولتے ہیں وہ یہی اپنی شاعری میں استعمال کرتے ہیں۔ کہیں بھی کسی طرح کی بناوٹ، سجاوٹ او ر دکھاوٹ کا نشان ڈھونڈھنے پر بھی نہیں ملتا یہی ان کے کلام کی انفرادیت اور خوبصورتی ہے۔ یقیناً ایسے کلام کو فن یا عروض کی بندشوں میں قید نہیں کیا جاسکتا۔ پھر بھی نقاد فن کو شاید ہی کہیں کچھ ایسا نظر آئے جہاں انگلی رکھی جاسکے۔

"زندگی" گوہر صاحب کے شعری مجموعہ کی شکل میں جلوہ گر ہے دعا گو ہوں ان کی یہ کاوش عوام و خواص میں وہ مقبولیت حاصل کر سکے جس کی وہ امید کر سکتی ہے۔

ارم عمر پوری
۷/۵/۹۸ء



"گوہرشاعری کے آئینہ میں"

علمائے فن کے نزدیک اصنافِ ادب میں سب سے آسانی صنف شاعری مجموعہ کی گئی ہے لیکن اس مفروضہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی طے ہے کہ شاعری میں اپنا طرز سخن اور اسلوب نکالنا سب سے مشکل مرحلہ مانا گیا ہے اردو شاعری کے نقار خانے میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی اتنی ساری بولیاں اتنے اقسام کی شاعری کہ جس میں یک رنگی اور یکسانیت اتنی کہ دوسرے سے جدا کرنا اور تمیز باقی رکھنا مشکل ایسے میں اگر کوئی اپنی انفرادیت اپنا طرز اور اپنا اسلوب رکھتا ہو تو یہ جوئے شیر لانے کے برابر کارنامہ کہا جائے گا۔

اور یہ کارنامہ انجام دیا ہے سریندر پرشاد گوہرؔ نے۔ شاعری کے حوالے سے گوہرؔ نے کچھ ایسے گوہر نایاب نکالے جو زندگی کی درخشانی میں معاون و مددگار ثابت ہوئے جن کی روشنی سے تاریک راہ حیات میں دور تک اجالا ہی اجالا نظر آتا ہے زندگی کا سادہ اور پرکار حسن امنگی رنگینی میں اضافہ کرتا ہے، گوہر نے اپنا منفرد لہجہ بہت پہلے ایجاد کر لیا تھا اور اب تو اس میں تجربے اور مشاہدے نے چار چاند لگا دیئے۔ گوہر کی زندگی کو خوبصورت دیکھنے اور اسے حسین بنانے کی تمنا انسان دوستی کی میزان میں پوری اور کھڑی اترتی ہے۔ بڑے بڑوں کو یہ انفرادیت اور یہ لہجہ زندگی بھر نصیب نہیں ہوتا۔ وہ اپنے رنگوں پر پردہ ڈالتا ہے لیکن اپنی چادر کے دھبوں پر ہاتھ رکھ کر چھپانے کی کوشش کے اعلان کے ساتھ کہ اس میں کچھ اوصاف بھی ہیں۔

جس جگہ کا رنگ پھیکا تھا چھپا کر ہاتھ سے اپنی چادر کے سبھی اوصاف گنواتا رہا

قناعت اور حوصلہ مندی کے لیے ان کا یہ شعر زندہ رہنے اور پار اترتے کا مزاج اُستوار کرتا ہے۔

انہیں سے پار کرتے ہیں یہ دریا ہمارے پاس جو کچّے گھڑے ہیں

اور اس کے ساتھ ہی خودداری کی یہ مثال بھی دیکھئے کہ اُجرت چاہتی ہے خیرات نہیں۔

مزدور ہوں میں بھوکا بھکاری نہیں کوئی اُجرت مجھے نہ دیجئے خیرات کی طرح

اس طرح کے اشعار زندگی کا دامن بہت سے تابدار اور آبدار موتیوں سے بھرا ہے۔ یہ صرف گوہر کی زندگی نہیں ادب کی آب و آبرو رہی ہے اور اسکی امین بھی خدا کرے کہ "زندگی" کو قبول عام ہو۔

کوثرؔ تسنیمی سہارنپوری

۱۲/جولائی ۱۹۹۸ء

"گوہر کی شاعری"

بڑا ہوا اس تعصب - تنگ نظری، تنگ ذہنی اور کور ذوقی کا - کہ اردو کو صرف مسلمانوں کی زبان کہہ کر اسے ایک ہی فرقہ تک محدود کرنے کی غلط روش اختیار کی گئی یا کی جارہی ہے اور بھی یہ کہہ اردو کی دہائی دیتے ہیں کہ ہماری زبان اردو کو مٹایا اور تباہ کیا جارہا ہے۔ اور نہ جانے کب سے اس کو زندہ رکھنے کے لیے بھیک مانگی جارہی ہے حالانکہ اردو کے بارے میں ایسا سوچنا اور ایسی رائے قائم کرنا ہی بے بنیاد ہے کیونکہ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ اردو دنیا کی تیسری زبان ہے اور ~

اردو زبان سب کی زباں — سب کی زباں اردو زباں

گویا یہ صرف مسلمان کی زبان ہے تو برج نرائن، چکبست آنند نرائن، ملا لکھنوی، تلوک چند محروم، علامہ کیفی دہلوی۔ بالمکند عرش۔ جگن ناتھ آزاد وغیرہ یہ حضرات کیوں اردو کے مشہور شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں؟ اس سے یہ ثابت ہوا کہ واقعی اردو زبان عوامی اور سب کی زبان ہے آپ یقین کیسا تھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سہل ممتنع اور جدید لب ولہجہ میں جو شگفتہ اشعار پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں یہ کسی مسلمان کے اشعار نہیں یا غیر مسلم کے؟ کوئی کمپیوٹر کیا آلہ ایسا ہے کہ جس سے یہ اندازہ ہوسکے کہ یہ اشعار کس فرقہ یا مذہب کے شاعر کے ہیں ~

جس جگہ کا رنگ پھیکا تھا چھپا کر ہاتھ سے — اپنی چادر کے سبھی اوصاف گنواتا رہا

رکشا چلا رہا ہے کمر تک کمان ہے — بچے سمجھ رہے ہیں ابھی تک جوان ہے

ایمان کا درس دیتے رہے دیں کے پاسباں — ایماں فروش نقرئی سکوں میں ڈھل گئے

یہ اشعار کسی جوان فکر جوان دل شاعر کے نہیں بلکہ ان کے اشعار پر خال نے اپنے زندگی اور روز مرہ کے مشاہدات بلا تکلف کاغذ پر رکھ دیئے ہیں یہ روایتی اور قدیمی شاعری سے بھی گریز کرتے ہیں گو یہ کہنہ مشق شاعر ہیں لیکن انکی شاعری میں عصری رجحانات اور اپنے گرد و پیش کی عکاسی اور ترجمانی پائی جاتی ہے یہی خوبی ان کو اپنے ہم عصر شعراء سے یقیناً میمیز کرتی ہے نہایت آسان اور سادہ زبان میں لاجواب اور منفرد اشعار کہنے والے جناب سریندر پرشاد گوہر سہارنپوری ہیں میں دعا گو ہوں کے انکا مجموعہ کلام "زندگی" شہرت دوام اور مقبولیت عوام حاصل کرے۔

کریمی الاحسانی
حسن پور لوہاری مظفر نگر
۱۱ جولائی ۱۹۹۸ء

"زندگی اور گوہر"

زندگی جینااور "زندگی" گزارنامیں جو بنیادی فرق ہے وہی فرق اشعار کہنے اور بامقصد کہنے میں ہے۔ زندگی جینے والا شاعر جب اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیکر تجزیہ کو شعری قالب میں ڈھالتا ہے تو وہ ادب برائے زندگی کہلاتا ہے۔ ادب برائے ادب بھی کوئی معیوب شئی نہیں لیکن ادب برائے زندگی کی زندگی لافانی ہوتی ہے اور ادب برائے ادب کی زندگی مختصر ادب برائے ادب وقتی تسکین فراہم کرتا ہے لیکن ادب برائے زندگی سے جب قاری یا سامع اپنی زندگی کا موازنہ کرتا ہے تو اسے لگتاہے کہ اسی کی ترجمانی کی گئی ہے۔

بدل کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں
غالب

شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے دل ہوا ہے چراغ مفلس کا
میر تقی میرؔ

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں جو کسی کے کام نہ آسکے میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں
ظفرؔ

ظفرؔ اس کو آدمی نہ جانئے گا کہ ہو کیسا ہی صاحب فہم وذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا
ظفرؔ

یہ اشعار کہے ایک زمانہ ہو گیاہے لیکن آج بھی جب یہ اور اس طرح کے اشعار سماعت سے کراتے یا گلستانِ نظر سے گذرتے ہیں تو سامع یا ناظر کا ذہن فوراً اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیناشروع کر دیتاہے اور نتیجہ یہ اخذ ہو تا ہے کہ سب تو اسی کے ساتھ ہو رہاہے سامع یا ناظر خود پر گذرتے ہوئے ایسے حالات کا مقابلہ کرنے یا بچنے کی تدابیر سوچنے لگتاہے۔ اور کسی نتیجہ پر پہنچ جاتاہے لیکن جب ادب برائے ادب سے متعلق مضامین کے اشعار۔

سرخ کبھو آنسو ہیں ہوتے زرد کبھو ہے منہ تیرا کیا کیا رنگ محبت کے ہیں یہ بھی ایک زمانہ ہے

میر تقی میر

نہ بجلی جلوہ فرما ہے نہ صیاد نکل کر کیا کریں ہم آشیاں سے

مومنؔ

لے پئیں کیا کہ کچھ فضا ہی نہیں ساقیا باغ میں گھٹا ہی نہیں

امیر مینائی

دکھلا کے اک جھلک وہ جو روپوش ہو گئے کیا کیا خیال خواب فراموش ہو گئے

امیر مینائی

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم ہے جئیں گے لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور

غالبؔ

سامع یا قاری سنتا یا پڑھتا ہے تو چند لمحات کے لیے لطف اندوز ہوتا ہے وہ ان اشعار پر سوچتا نہیں ہے اسی لیے کسی نتیجہ پر بھی نہیں پہنچتا جب سے اردو شاعری کا آغاز ہوا ہے سہارنپور کی سرزمین ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی تخلیق کرنے والے شعراء پیدا کرتی رہی ہے جن کی فہرست بہت طویل ہے آج بھی دونوں اقسام کا ادب خلق کرنے والے شعرا کی اس سرزمین پر اچھی خاص تعداد موجود ہے۔ سریندر پرشاد گوہرؔ صاحب نے اپنی شاعری کے لیے ادب برائے زندگی کو چنا اور باقاعدگی سے اپنی سمت سفر کی جانب بڑھتے چلے جا رہے ہیں گوہرؔ صاحب نے اپنے پسندیدہ راستہ کو آسان بنانے کے لیے اردو سے ایم اے پاس کیا اور اپنی تعلیم کو صرف اور صرف ادب برائے زندگی تخلیق کرنے میں صرف کیا اردو کی تعلیم حاصل کرنے کا آپ کا مقصد بھی یہی تھا۔ اپنی بات کو سادہ الفاظ اور خوبصورت انداز میں کہنے کا ہنر آپ نے عالی مرتبت محترم جناب ماسٹر محمد یٰسین صاحب ارمؔ عمرپوری سے سیکھا اور آج آپ جس بلندی پر استقلال سے کھڑے نظر آرہے ہیں یہ جناب ارمؔ عمرپوری صاحب کی تربیت کا نتیجہ ہے آپ نے اپنی زندگی کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) آپ نے سرکاری خدمات انجام دیں اور اسٹیشن ماسٹر کے عہدہ پر ۳۷ برس فائز رہ کر پنشن یافتہ ہوئے (۲) خانگی ذمہ داریاں پوری ذمہ داری سے نباہیں اور نباہ رہے ہیں (۳) تین الگ الگ نشستوں کے دو کتابچے (۱) طرحی نشست (۲) سلکِ گوہرؔ شائع کرائے سہارنپور کی

مختلف انجمنوں سے جڑے رہے آج بھی مرکز حیات اردو سہارنپور کے صدر ہیں مرکز حیات اردو سہارنپور کے عہد داران کو ساتھ لیکر آپ نے گذشتہ برس سہارنپور کے شعراء کے کلام پر مشتمل مجموعہ آبشار شائع کرلیا اب آپ اپنا شعری مجموعہ "زندگی" اہل نظر کی خدمت میں پیش کررہے ہیں میری دعاء ہے کہ زندگی قبولیتِ عام حاصل کرے میں صرف کچھ اشعار کوٹ کررہا ہوں کیونکہ ایک شعر پر نگاہ جمتی ہے تو دوسرا اس سے بہتر نظر آنے لگتا ہے اور یہ سلسلہ پورے مجموعہ پر محیط ہے میں گوہر صاحب کو مبارک باد بھی پیش کرتا ہوں کہ آپ نے اردو کش دور میں زندگی جیسا خوبصورت مجموعہ مرتب کرکے خاص وعام کی خدمت میں پیش کرنے کا حوصلہ کیا۔

"گوہر صاحب کے چند کبھی نہ فراموش ہونے والے اشعار"

پڑے جو بھوک کے تھپڑ تو ہاتھ پھیل گئے ذرا سی آن میں سب آن بان بھول گیا

مزدور ہوں میں بھوکا بھکاری نہیں کوئی اجرت مجھے نہ دیجئے خیرات کی طرح

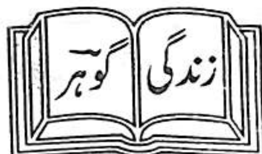
میں نے بوسیدہ سمجھ کر جنہیں رکھ چھوڑا تھا وقت پر کام وہی کپڑے پرانے آئے

پھیری والا بیچتا ہے سب کھلونے ایک دام چاہے گوتم چاہے عیسیٰ چاہے سیتارام لو

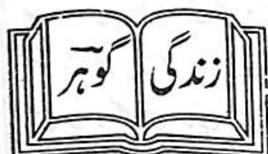
ٹی وی پہ آرہی ہے نئی فلم سیکس کی بچوں کو اپنے پاس بٹھاؤں تو کس طرح

پیکر یزدانی
گلی ۱۰ انشاط روڈ ابراہیم آباد سہارنپور

۱۳/ جولائی ۱۹۹۸ء



میری کھلی کتاب
"زندگی"



ریل کی پٹریوں کی کھٹ پٹ، انجن کی سیٹی، ڈبوں میں سرخ قہقہے، پلٹ فارم کی گھما گھمی میں سریلی سرگوشیاں ان سب نے مل جل کر مجھے شاعر بنادیا۔

یہ حقیقت اپنی جگہ کہ شاعری خدا کا ایک خوبصورت اور لطیف عطیہ ہے ۱۹۵۰ء میں ریل ڈیپارٹمنٹ میں ایک اسسٹنٹ ماسٹر کی حیثیت سے داخل ہوا مختلف اسٹیشنوں سے گزرتا ہوا ۱۹۸۷ء میں باعزت طور پر ریٹائرڈ ہو گیا شروع کی تو تک بندی ہی سمجھئے اس تک بندی کے راستوں پر چلتے ہوئے "جذبے بیدار ہوئے" احساس جاگا اور شعور نے اس تک بندی کو شعری اوزان میں ڈھالنا شروع کر دیا اب مجھے اک رہنما کی ضرورت تھی اس دوران حضرت ارم عمرپوری سے ملاقات ہوئی ماسٹر صاحب سے ملاقات کے بعد میرے ذہن میں آیا کہ جب تک اردو کے بارے میں مکمل جانکاری نہ ہو شاعری کرنا بیکار ہے لہٰذا میں نے میرٹھ یونیورسٹی سے ایم۔اے۔پاس کیا اور ڈگری حاصل کی اور ماسٹر ارم صاحب کی رہبری میں کاروان شعر وادب آگے بڑھتا رہا میری چار لڑکیاں ہیں جن کے فرائض سے میں سبکدوش ہو چکا ہوں جو ہنسی خوشی اپنا جیون گزار رہی ہیں ایک لڑکا ہے جو اپنے کاروبار میں مصروف ہے اس کی طرف سے بھی میں مطمئن ہوں میری جیون ساتھی کسم لتا نے جیون کے ہر موڑ پر میرا ساتھ دیا نشستوں وغیرہ سے اکثر گھر دیر سے لوٹتا ہوتا لیکن ان کے ماتھے پر میں نے کبھی کوئی شکن محسوس نہیں کی اور انہوں نے اسی وقت مجھے گرم کھانا اور ٹھنڈا پانی پیش کیا اس سلسلے میں آپس میں کبھی کوئی تنازعہ نہیں ہوا گھر میں اکثر شاعروں کے جمگھٹے بھی رہے نشستیں بھی ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں لیکن انہوں نے مجھے کبھی کوئی شکایت کا موقع نہیں دیا شعری مجموعہ شائع کرنے کے سلسلے میں دوستوں کا گاہے گاہے اصرار اور میرا مسلسل انکار جاری رہا۔ لیکن کب تک، آخر دوستوں کے ہاتھوں مجبور ہو کر اور یہ سوچ کر کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ کتابی شکل میں محفوظ ہو جائے اپنی زندگی کا اثاثہ "زندگی" ہی کے نام سے شائع کر دیا ہے۔

میں مختلف ادبی وسیاسی انجمنوں کا سکریٹری رہ چکا ہوں اور اب "مرکز حیات اردو سہارنپور" کا صدر ہوں مرکز ہٰذا کے سبھی عہدیداران وممبران سے مجھے بھرپور تعاون ملا ہے جس کا میں تہ دل سے شکرگزار ہوں خاص طور سے اپنے دوست ہارون صابر فریدی جو جنہوں نے ہر قدم پر میرا ساتھ دیا میں ان کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ جناب شیخ سلیم، واصف عابدی، استاد ماسٹر ارم عمرپوری، پیکر یزدانی اور کوثر تسنیمی کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں جنہوں نے ہر موڑ پر میری رہنمائی کی۔

میں اپنی دیگر کتابوں کا ذکر بھی کردوں میں نے سلکِ گوہر جس میں سہارنپوری دو طرحی نشستوں کو یکجا کرکے جس میں ایک مصرعہ راقم کا "ہر اینٹ ساتھ چھوڑ رہی ہے" مکان کا اور دوسرا مصرعہ ارم عمرپوری صاحب کا "ایک خوشبو ہمسفر ہے ان دنوں" ترتیب دیکر ۱۹۸۲ء میں شائع کیا جب میں انجمن ارتقائے اردو کا جنرل سکریٹری تھا اور ایک مجموعہ آبشار کے نام سے جس میں سہارنپور کے قریب قریب تمام شعراء کا کلام مع فوٹو ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا جس کا راقم مولف ہے۔

گر قبول افتد زہے عزوشرف

سریندر پرشاد گوہر
ہرگووند بھون
چوک ہرن ماران، سہارنپور



غــــزل

بند اک کمرے میں بیٹھا ہوں پجاری کی طرح
اور رشتہ دار باہر ہیں شکاری کی طرح

تجھ کو جو کچھ جیتنا ہے جیت لے طاقت دکھا
کس لیے پتّے بچھائے ہیں، جواری کی طرح

اک نظر مجھ کو نہیں دیکھا جنھوں نے آج تک
ہوں سوار اب انکے کاندھوں پر سواری کی طرح

میں تو آیا تھا یہاں اپنا ہی حصّہ مانگنے
اور تم برتاؤ کرتے ہو، بھکاری کی طرح

میں اگر مِٹ بھی گیا الزام کب دوں گا تمہیں
دُشمنی ڈٹ کر نکالو مجھ سے یاری کی طرح

مفلسی میں کیا بتائیں حال کیا اپنا ہوا
اب ہنسی آتی ہے لیکن آہ وزاری کی طرح

کیا کہوں کیسے کہوں گوہر ہوئے حالات کیا
رو رہی ہے زندگی اک آبلا ناری کی طرح



غزل

روشنی کو ضد ہے، اب کے تیرگی مٹ جائیگی
تیرگی کو ضد ہے، ابکے روشنی مٹ جائے گی

کس قدر تیزی ہے دریا میں، کنارے تک کٹے
پینے والو دیکھنا ، سب تشنگی مِٹ جائے گی

بو رہے ہو بیج نفرت کے توکل تم دیکھنا
ایسی تلواریں چلیں گی زندگی مِٹ جائیگی

ایسے اندھیارے میں یارب کچھ کرَم اپنا دکھا
ورنہ لوگوں کے دلوں سے بندگی مٹ جائیگی

لیکے رب کا نام اب تو کودجا میدان میں
نام سے اسکے تری سب بزدلی مٹ جائیگی

جب سنہرے خواب پلکوں پر سجالے گا گہرؔ
مسکرائے گی تمنا بے بسی مٹ جائیگی





شعر

کیا کہیں دریا کو اپنے ظرف میں خاموش ہے
اور قطرہ کہہ رہا ہے تم مجھے دریا کہو

غــــزل

گھر تو ہے گھر سے دور، پریشانیاں نہیں
دیوار ودر ہیں، چھت ہے، مگر سیڑھیاں نہیں

دریا کے پار، چاندی ہی چاندی ہے دوستو
اتروگے پار کیسے، اگر کشتیاں نہیں

بستی میں آگیا ہوں کہ صحرا میں آگیا
کوئی جگہ نہیں جہاں، ویرانیاں نہیں

خوابوں کے "پھول" آس کی کلیاں تو ہیں بہت
ہاتھوں میں جستجو کی مگر تتلیاں نہیں

یہ مقبرہ ہے جیل ہے ،زندانِ آرزو
میں آگیا کہاں کہ کہیں کھڑکیاں نہیں

ارتھی اٹھائے پھرتا ہوں میں اپنے نام کی
شمسان مل گیاہے مگر لکڑیاں نہیں

گوہرؔ ملے تو کیسے ملے کوئی کیا کرے
ساگر پڑیں ہیں خالی کہیں سپّیاں نہیں

شعر

وقت نے بوسیدہ سمجھ کر جنہیں رکھ چھوڑا تھا
وقت پر کام وہی کپڑے پرانے آئے

غــــزل

سر پہ لٹکی ہوئی شمشیر کہاں تک دیکھوں
گھر کی بکتی ہوئی جاگیر کہاں تک دیکھوں
پیار سے خط جو لکھے تھے کبھی اس نے مجھ کو
ان کی اڑتی ہوئی تحریر کہاں تک دیکھوں
اے خدا دوسری دنیا ہی بنا دے کوئی
میں فقط ایک ہی تصویر کہاں تک دیکھوں
اور کب تک یہی حالات رہیں گے یارو
خاک اور خون بغلگیر کہاں تک دیکھوں
موسمِ گل بھی نظر آتا ہے پت جھڑ جیسا
ایسے ماحول کی تصویر کہاں تک دیکھوں
بھوکے بچے ہوں تو کیا دیر و حرم کی سوجھے
اپنے احباب کی تقصیر کہاں تک دیکھوں
شاخ سے پھول جدا سیپ سے گوہر ہے الگ
ایسا لٹتا ہوا کشمیر کہاں تک دیکھوں



غزل

وہ اپنے آپ کو بہتر شمار کرتا ہے
عجیب شخص ہے اپنا شکار کرتا ہے

کسے خبر ہے کہ منزل اسے ملے نہ ملے
وہ ٹوٹی کشتی سے، دریا کو پار کرتا ہے

مجھے پتہ ہے، کہ تلوار اس کے پاس نہیں
مگر زبان سے ہر لمحہ وار کرتا ہے

وہ آدمی تو نہیں ہے، کوئی فرشتہ ہے
گناہ زیست میں جو ایک بار کرتا ہے

اُٹھا رہا ہے وہ دیوار کیوں پھر آنگن میں
جب اپنے بھائی پہ وہ اعتبار کرتا ہے

نظامِ موسمِ گل کی اُسے خبر ہی نہیں
خزاں کے دور میں ذکرِ بہار کرتا ہے

نظر بچا کے گزرنا ہی اس سے ہے بہتر
گہرؔ جو دامنِ دل تار تار کرتا ہے

شعر

انجام قافلہ کا جو ہوگا وہ صاف ہے
آگاہ راستوں سے اگر رہنما نہیں

غــزل

دوسروں کے ہاتھ نہ پگڑی اُچھلنی چاہیے
بات گھر کی گھر سے نہ باہر نکلنی چاہیے

آندھیاں ہیں تیز تر، اور خستہ ہیں دیوارودر
جلدی جلدی گھر کی اب چوکھٹ بدلنی چاہیے

تھک گیا ہوں ڈھوتے ڈھوتے زندگی کے بوجھ کو
اب میری گردن سے یہ رسی نکلنی چاہیے

آج شادی ہے مری بیٹی کی سن لو دوستو
یہ گھڑی مشکل سے آئی ہے نہ ٹلنی چاہیے

آج تک تو کنا کے پتھر بھی میں پھل دیتا رہا
اب مری شاخوں سے چنگاری نکلنی چاہیے

اے خدا جلتا رہے دن رات وہ میری طرح
آہ میری اُس کے ہونٹوں سے نکلنی چاہیے

پھول اور کانٹوں نے اوڑھی ہیں قبائیں پرکشش
اب روش گوہر کو بھی اپنی بدلنی چاہیے

شعر

فیکٹری لاش بنانے کی لگالی میں نے
روزی روٹی کی نہیں کوئی بھی پروا کرنا

غزل

خوابوں کی تتلیوں کے سوا کچھ نہیں بچا
یعنی کہ کھڑکیوں کے سوا کچھ نہیں بچا

ایسی اٹھیں ہیں آندھیاں طوفاں کی گود سے
پیڑوں پہ لکڑیوں کے سوا کچھ نہیں بچا

پورے نگر میں آگ نے سب کچھ جلادیا
لوگوں کی استھیوں کے سوا کچھ نہیں بچا

اب سوچنے سمجھنے کو لوگوں پہ آج کل
ووٹوں کی پرچیوں کے سوا کچھ نہیں بچا

حسنُ وجمال، عشق ومحبت ،وفا،خلوص
اب ان کہانیوں کے سوا کچھ نہیں بچا

ایسے فسادیوں نے اجاڑا ہے شہر کو
لوگوں کی سسکیوں کے سوا کچھ نہیں بچا

گوہر کی بات کیا کریں روٹی کی سوچئے
اب خالی جھولیوں کے سوا کچھ نہیں بچا

شعر

چور ہوتا ہے جس کے دل میں کوئی
وہ ہی اکثر نظر چراتے ہیں

غزل

لہروں پر بھی نظریں اسکی ساحل سے بھی یاری ہے
چپکے چپکے طوفانوں نے کرلی سب تیاری ہے

اپنے ہوں یا بیگانے، سب دولت کے ہیں دیوانے
رشتہ ناطے پیار محبت کوری دنیا داری ہے

جانے کتنے پاپ کیئے ہیں کتنے دیپ بجھائے ہیں
اوپر والا دیکھ کر چپ ہے یہ کیسی بیزاری ہے

دنیا جال بنی کانٹوں کا، رستے بھی ہموار نہیں
منزل، منزل چلتا چل تو یہی تری ہشیاری ہے

آتے جاتے کاٹ رہی ہے عمر کی لمبی ڈوری کو
سمجھو اک اک سانس ہماری اک تلوار دودھاری ہے

مہنگائی نے پنکھ پسارے ہونٹوں پر خشکی کا راج
بھوکے بچے بلک رہے ہیں کیسی یہ لاچاری ہے

گوہر اس منزل پہ آکر گوہر سب بیکار ہوئے
موت ہمارے گھر پہ آئی چلنے کی تیاری ہے



غـــزل

بڑی نازک طبیعت ہو رہی ہے
مگر بچپنے کی صورت ہو رہی ہے
نہیں ہے پاس اپنے مال و دولت
مگر پھر بھی سخاوت ہو رہی ہے
میں دیکھوں کیا سنوں کیا، اور کہوں کیا
ترے بندوں سے نفرت ہو رہی ہے
مقدس بارگاہوں سے بھی اب تو
نہ جانے کیوں شرارت ہو رہی ہے
ہمیں جگنو نہ سمجھو، شمس ہیں ہم
ہمیں سے دور ظلمت ہو رہی ہے
خوشی سے کیوں گریزاں ہے مرا دل
غموں سے کیوں محبت ہو رہی ہے
گہرؔ کے شعر اور اس کی زباں پر
جہاں والوں کو حیرت ہو رہی ہے

شعر

آندھیاں تیز ہیں آجکل ⁞ پیڑ اپنے بچا لیجئے

غزل

ہر طرف بھیڑ کی بھرمار مصیبت کیا ہے
چلنا پھرنا ہوا دشوار مصیبت کیا ہے
کرتے ہیں چھپ کے وہی وار، مصیبت کیا ہے
ہاتھ میں جن کے ہے تلوار مصیبت کیا ہے
موت آجائے گی جب بھی اُسے آنا ہوگا
پھر بھلاڈرتے ہو بیکار مصیبت کیا ہے
کون قاتل ہے پتہ اس کا ٹھکانہ کیا ہے
جس سے پوچھو وہی دیوار مصیبت کیا ہے
جس جگہ ہم نے اگایا تھا چمن محنت سے
اب وہاں لگتا ہے بازار مصیبت کیا ہے
کیا خریدیں گے بھلا شہر کے بازاروں سے
ہر طرف بھوک کے انبار مصیبت کیا ہے
دل بھی دیدوں گا محبت سے گہر بھی دوں گا
کر بھی لے ملنے کا اقرار مصیبت کیا ہے



شعر

ایک ایک پھول کو مالی نے الگ کرڈالا
پھر بھی کس کو کہاں الزام ہے دیا میں نے

غزل

کانچ کی دیوار کے اندر ہے تو باہر ہوں میں
تو ہے اک عکسِ محبت اور ترا پیکر ہوں میں

میں چھلک جاؤں گا تونے کیوں لبالب بھرلیا
پینے والے ہوش میں آجا ترا ساغر ہوں میں

چاند تارو کس لیے نازاں ہو اپنی ذات پر
لاکھ تم اونچے سہی تم سے بہت اوپر ہوں میں

کل تلک جو ہوچکا ہے اس پہ مٹی ڈال دو
کل تلک راہی تھا لیکن آج تو رہبر ہوں میں

میں وہ خط ہوں جسکے سب الفاظ دھندلے پڑگئے
آنکھ سے آنسو جو ٹپکے تھے انہیں سے تر ہوں میں

دیکھنے والو بصد افسوس مجھ کو دیکھ لو
زندگی کی دھوپ میں جلتا ہوا منظر ہوں میں

گہرے پانی میں رہوں کہ کوئیلوں کی کان میں
ہر جگہ ہر وقت یارو قیمتی گوہر ہوں میں

شعر

گھر کا برتن برتن پیاسا، بھوک لگی ہے چولہوں کو
یہ روزے الواش ہیں کب تک پوچھ پوچھ سب ہارے ہیں

غــــزل

سویرا ہوگیا ہے خواب کی تعبیر باقی ہے
اندھیرا ڈھل چکا ہے رات کی تاثیر باقی ہے
عدالت سوچ میں ہے اب سزائیں کون بھگتے گا
وہ قاتل جاچکا ہے اس کی اب تقصیر باقی ہے
مریضِ آرزو تیرا خدا والی خدا حافظ
سبھی نباض گم صم ہیں تیری تقدیر باقی ہے
سجایا ہے قرینے سے وفا کا آئنہ خانہ
مرے خوابوں کی ارماں اب تری تصویر باقی ہے
کہاں منزل، کہاں پر گھر، کہاں پر آشیانہ ہے
فقط رستہ ہے یا مجھ سا کوئی رہگیر باقی ہے
نہ جانے کتنی کڑیاں توڑ دیں اے زندگی پھر بھی
مرے پاؤں میں تیرے پیار کی زنجیر باقی ہے
کسی کو مل گئے پتھر کسی کو مل گئے گوہر
وصیت کرنے والا مرگیا تحریر باقی ہے

شعر

پھول روتے ہی رہے کلیاں سسکتی ہی رہیں
باغباں بدلا مگر کیوں قاعدہ بدلا نہیں

غزل

دوستوں کی ہر خوشی میں کام آنا کام ہے
یہ مرا کردار میرے دشمنوں میں عام ہے
کیسی منزل، کونسی منزل، پتہ کچھ بھی نہیں
سب مسافر ہیں یہاں دردر بھٹکنا کام ہے
کوئی بتلائے مجھے منزل سے لوٹا ہے کوئی
زندگی میں جانتا ہوں جو ترا انجام ہے
پہلے گرنا پھر سنبھلنا اور پھر گرنا کہیں
زندگی بھی خوبصورت ٹھوکروں کا نام ہے
پیاز کے چھلکے اتاروگے تو کیا مل جائے گا
آخرش ہر دشمن کا دوستی انجام ہے
تم کو جس کی آرزو ہے اور جس کی جستجو
وہ ہے گوہر اور یارو وہ مرا ہمنام ہے





اب جاؤں کدھر رستہ ہے کہاں دیوار سیاست ہے حائل
منزل ہے نہ کوئی راہ نما ہے حال میرا توبہ توبہ

غزل

میں آئینہ سے اپنی خطا پوچھتا رہا
اور آئینہ مزاج مرا پوچھتا رہا
بھیجا تھا کس لیے مجھے اور کر چلا ہوں کیا
اپنے ضمیر سے یہ سدا پوچھتا رہا
وحشت تھی یا جنون تھا یا میری بیخودی
ہر آدمی سے گھر کا پتہ پوچھتا رہا
منصف کی آنکھ لگ گئی قانون سو گیا
میں بے قصور اپنی سزا پوچھتا رہا
آندھی چلی تو پیڑ سے پتے بچھڑ گئے
کس کس کو لے اڑی ہے ہوا پوچھتا رہا
مدت سے قید کیوں ہے اسی سیپ میں گوہر
اس کو ملی ہے کیوں یہ سزا پوچھتا رہا



زنگ آلودہ یہ خنجر دیکھنا
کام آئے گا تمہارے ایک دن

غزل

گھر سب کے جل رہے ہیں بجھاؤں تو کس طرح
پھر بھی یہ سو رہے ہیں جگاؤں تو کس طرح

باہر کے زخم دیکھ کے رونے لگے ہیں لوگ
اندر کے زخم ان کو دکھاؤں تو کس طرح

یارو! تمام عمر میں جب خود نہ ہنس سکا
تم ہی بتاؤ تم کو ہنساؤں تو کس طرح

سننے کو بیقرار ہیں چھوٹے بڑے سبھی
رومانٹک غزل ہے سناؤں تو کس طرح

ٹی وی پہ آرہی ہے نئی فلم سیکس کی
بچوں کو اپنے پاس بٹھاؤں تو کس طرح

بوڑھا نہیں ہوں عمر بڑھادی ہے وقت نے
یہ بھید زندگی کا بتاؤں تو کس طرح

گوہر تمام بکھرے ہوئے ہیں ادھر ادھر
کمرے میں ان کو چن کے سجاؤں تو کس طرح



شعر

گھر میں پڑوسیوں کے جو کانٹے بکھیر دے
آنگن میں اپنے پیڑ نہ ایسے لگائیے

غــــزل

جس نے کاٹا ایکتا کا پیڑ اس کا نام لو
کون کہتا ہے ناحق اپنے سر الزام لو
آج جو گھرے ہیں بادل کل کو یہ چھٹ جائینگے
صبر کا دامن نہ چھوڑو ضبط دل سے کام لو
ایک روٹی ڈال کر تھالی میں اس نے یہ کہا
میرے بچوں بانٹ کھاؤ اور خدا کا نام لو
اس قدر ہے بھیڑ سڑکوں پر کہ دم گھٹنے لگا
زندگی گھبرا رہی ہے زندگی کو تھام لو
روشنی لازم ہے منزل تک پہنچنے کے لیے
سوچتے کیا ہو کسی رہبر کا دامن تھام لو
پھیری والا بیچتا ہے سب کھلونے ایک دام
چاہے گوتم، چاہے عیسیٰ، چاہے سیتا، رام، لو
جس گلی میں نام تھا گوہر کا یارو کل تلک
اس گلی میں آج گوہر ہو گیا بدنام لو

شعر

راستہ دشوار ہے منزل ملے گی کس طرح
راہ بر پتھر بنا ہے کارواں بڑھتا نہیں

غـــزل

میں نے جب بھی تنکوں سے آشیاں بنایا ہے
بجلیوں نے ہنس ہنس کر دیپ راگ گایا ہے

آج میرے مرنے کا جشن یوں منایا ہے
میرے رشتہ داروں نے قہقہہ لگایا ہے

آئینہ کو توڑا تو آئینہ نہیں ٹوٹا
کرچ کرچ پر اس کا عکس جھلملایا ہے

اُس قفس کی قیدی کو اس قدر اذیت دی
روشنی نے نوچا ہے تیرگی نے کھایا ہے

کیوں جھٹک رہے ہو تم اپنی آستینوں کو
ان میں ہے کوئی خنجر میں نے کب بتایا ہے

جانے ان کتابوں پر اس نے لکھ دیا کیا کیا
میں نے جب بھی دیکھی ہیں تیرا نام پایا ہے

آنسوؤں کا ہر قطرہ بن گیا حسیں گوہر
اُس نے اپنی پلکوں پر جب کبھی سجایا ہے





سوال صاف تھا اور حل بھی صاف ہی تھا
مگر وہ دے نہ سکا کیوں جواب بتلا دے

غــزل

ماحول صاف ستھرا بناؤں کہاں کہاں
جرم وسزا سے خود کو بچاؤں کہاں کہاں

پتے تمام پیڑوں کے گرنے لگے ہیں اب
ان کو اٹھاؤں اور لگاؤں کہاں کہاں

فٹ پاتھ پر سمیٹے ہوئے اپنی حسرتیں
اوڑھوں اب ان کو اور بچھاؤ ں کہاں کہاں

اوراق زندگی کے تو پہلے ہی بھر چکے
نقش ونگار غم کے بناؤں کہاں کہاں

نیلی رگیں بھی جسم سے باہر نکل پڑیں
اب راز زندگی کے چھپاؤں کہاں کہاں

ہر اینٹ ساتھ چھوڑ رہی ہے مکان کا
دیوار ودر پہ ٹیک لگاؤں کہاں کہاں

ہر شخص کی نظر ہے خزانوں کی ٹوہ میں
گوہر کو اپنے پاس چھپاؤں کہاں کہاں

شعر

بھوکے بچے کے ایک تبسم پر
اپنے سارے ثواب دے آئے

غــزل

رکشا چلا رہا ہے کمر تک کمان ہے
بچے سمجھ رہے ہیں ابھی تک جوان ہے

جگنو نہیں، چراغ نہیں، شمع بھی نہیں
بنتا ہے آفتاب عجب اس کی شان ہے

املی کا پیڑ جو مری مسجد میں ہے اسے
کہتے ہیں سارے لوگ بڑا بھاگوان ہے

اس میں کسی کرن کا گزر ہو تو کس طرح
چاروں طرف سے بند ہمارا مکان ہے

سچ بولتا ہو اور نہ بنتا ہو دیوتا
بیشک مری زمین پہ وہ آسمان ہے

منزل اسے سلام کرے گی ہزار بار
جس کو سفر سے پہلے ہی منزل کا دھیان ہے

گوہرؔ ملیں گے آپ کو داتا سے مانگیئے
وہ کارساز ہے وہ بڑا مہربان ہے





بیٹھے لحاف سے فٹ پاتھ پہ ٹھٹھرتے ہوئے
تمام رات ستارے شمار کرتے رہے

غزل

کوئی لکھواکے تجھ سے مرتبہ اپنا بڑا لایا
میں حق پر جان دینے کا مسلسل سلسلہ لایا

یہ مانا انگلیاں میری جلی ہیں دوستو لیکن
بجھاکر آگ نفرت کی، پڑوسی کو بچالایا

کتابوں کاپیوں سے ہو گیا، بستہ مرا خالی
کسی کو کیا بتاؤں بیچ کر مال کی دوالایا

کسی بھی حادثہ سے جب بھی چاہا ہے نکل جاؤں
ہزاروں حادثے میں اپنے سینے میں چھپالایا

لگی تھی آگ جس گھر میں جہاں شعلے مچلتے تھے
میں اس جلتے مکاں سے ایک بچے کو بچالایا

وہ سر کو کیسے میرے پھوڑتا ہے دیکھنا یہ ہے
میں اس کوچے کے سب پتھر ہی اپنے گھر اٹھا لایا

جو ٹکڑے کانچ کے لیکر چلا تھا اپنے گھر سے میں
ہنر مندی سے اپنی، ان کو میں گوہر بنالیا





کس نے چمن میں آگ لگادی تھی سوچ مت
کیسے بجھے گی آگ بجھانے کی بات کر

غــزل

ہتھکڑی ہاتھوں میں ہے اور پاؤں ہیں تلوار پر
رقص کرتا چل رہا ہوں سانس کی جھنکار پر

برف کی پرتیں جمی ہیں شعلہ ٔ گفتار پر
"خول" چاندی کا چڑھا آج کے فنکار پر

آڑی تیر چھی سی لکیریں اک معمہ بن گئیں
جاتے جاتے لکھ گیا وہ جانے کیا دیورا پر

کاش آجائے مسیحا بن کے کوئی اس گھڑی
"رات" کا کٹنا بہت بھاری ہے اب بیمار پر

منتخب میں کس کو کرتا رہنمائی کے لیے
کوئی پورا ہی نہیں اترا مرے میعار پر

تم مری آواز پر پہرے بٹھاسکتے تو ہو
کیا لگاسکتے ہو! پابندی مرے افکار پر

منزلیں خود ان کو لے لیں گی گہر آغوش میں
چل رہے ہیں آج کل جو وقت کی رفتار پر

❁



سب گھروں پہ وہ بادل تھا برسا گیا
میری چھت اور مڈیروں کو ترسا گیا

غزل

نظر آتی ہیں تجھ کو چار سو کمزوریاں میری
تیری آنکھوں میں لگ جائیں خدایا پتلیاں میری

سمجھتا کیا ہے اس روئے زمین پر کچھ نہیں میرا
یہ سورج چاند تارے کہکشاں یہ بجلیاں میری

لگا آنکھوں میں تو سرمہ حسینوں میں حسیں بن جا
مگر کیوں پیستا ہے پتھروں سے ہڈیاں میری

مجھے مجنوں سمجھ کر میرے کپڑے پھاڑنے والے
کفن بن جائیں گی تیرا سمجھ یہ دھجیاں میری

انہیں چھوٹا سمجھتے ہو مگر اتنا نہیں سمجھو
مگر بن کر لڑیں گی دیکھنا یہ مچھلیاں میری

مرے داتا بھکاری بن کے آیا ہوں ترے در پر
کرم کی اک نظر، بھر دے یہ خالی جھولیاں میری

یہ مانا جا رہے ہو چھوڑ کر گوہر کو تم لیکن
تمہارا ساتھ نہ چھوڑیں گی پر، پرچھائیاں میری



دھوپ در پر مرے جب سے آنے لگی
بیٹھنے کی جگہ بن گیا راستہ

غـــزل

جان لو پیچھا نہ چھوڑیں گی کبھی پرچھائیاں
جان دیکر بھی نہیں مرتی ہیں یہ رسوائیاں

اے رفوگر دیکھ تو آکر انہیں کیا ہوگیا
زخم کیوں ہنسنے لگے کیا چل پڑی پروائیاں

تم بھی آخر گر پڑے ہو دیکھ لو قدرت کا کھیل
تم نے دنیا کو گرایا تھا بنا کر کھائیاں

میرا "پانی" یہ ہوا، سورج، یہ بادل، لے اڑے
ناپنے کیوں آگئے پھر، تم مری گہرائیاں

رات دن کے شور سے اکتا گئی ہے زندگی
آگئی ہیں راس مجھ کو آج کل تنہائیاں

دوستوں کے سارے سپنے چور ہو کر رہ گئے
جب سے آنگن میں مرے بجنے لگیں شہنائیاں

آندھیوں آؤ اڑا کر لے چلو ایسی جگہ
جس جگہ گوہرؔ نہ ہو اس کی نہ ہوں پرچھائیاں



میں پھول تو نہیں ہوں مگر خار بھی نہیں
مجھ کو بھی اپنے پاس بٹھانے کی بات کر

غــزل

اب پڑوسی سے ڈر مجھ کو لگنے لگا، ان مڈیروں پہ میں کانچ لگواؤں کیا!
چھت سے چھت اب کسی کی بھی ملتی نہیں، بیچ میں آنچک میں بھی کھلواؤں کیا!
موت ہے کیا بلا جانتا میں نہیں، زندگی سے بھی میں کچھ شناسا نہیں
کیا ہے دوزخ مجھے کچھ پتہ ہی نہیں، کیسی جنت ہے دنیا کو بتلاؤں کیا!
دیکھنے میں تو یوں سب ہیں مسرور سے، ہیں مگر کچھ کے دل ان میں رنجور سے
ہے نگاہوں میں قاتل کا چہرہ مرے، نام قاتل کا بولو میں لکھ جاؤں کیا!
دشمنی تم کہو یا کہو دوستی، بات اچھی لگے یا لگے کچھ بُری
جو بھی دھوکہ کرے بارہا بے سبب، اس کو محفل میں بدنام کر جاؤں کیا!
خون کا چارسو گرم بازار ہے، سر پہ لٹکی ہوئی ایک تلوار ہے
خون کروایئے قتل کروایئے، ایسے ناموں کے لوگوں کو گنواؤں کیا!
خنجروں کا چلانا تمہیں آگیا، رستہ ہموار کرنا تمہیں آگیا
اپنے فن میں ہے حاصل تمہیں دسترس، اور تم کو بتاؤ میں سکھلاؤں کیا
چاہے گوہر کو پتھر سے تلوایئے، چاہے کنکر کے ڈھیروں کو گنوایئے
چاہے شیشے کے گھر اپنے بنوایئے، کیا عدالت ہے کیا جرم بتلاؤں کیا!



غــزل

میں نہیں تو روشنی سایہ گھٹا سکتی نہیں
میں نہیں تو میرے سائے کو بڑھا سکتی نہیں

لے چلو مجھ کو مرے گھر دفن کرنے کے لیے
دشمنوں کی یہ زمیں مجھ کو چھپا سکتی نہیں

تم ہو مری روح، میرا جسم، میری آرزو
بن تمہارے کوئی شے مجھ میں سما سکتی نہیں

یہ ہوا، اس پیڑ کے پتّے گرا سکتی تو ہے
پر ہوا اس پیڑ کو ہرگز جھکا سکتی نہیں

تیری ہر اک بات میں الجھاؤ ہی الجھاؤ ہے
پر مجھے مکڑی کے جالے میں پھنسا سکتی نہیں

وہ تو مجرم ہے خدائے دوجہاں کا دوستو
کوئی طاقت ایسے مجرم کو بچا سکتی نہیں

آتشِ نفرت جلادے چاہے ہمارے شہر کو
میں وہ گوہؔر ہوں جسے ہرگز جلا سکتی نہیں

شعر

آج بارش میں دریا ابل جائے گا
جو ہیں ساحل پہ ان کو نگل جائے گا

غزل

یہ مکاں تیرا ہے آجا بزدلوں کو چھوڑدے
اب تو ان ٹوٹی ہوئی بیساکھیوں کو چھوڑدے

تو تو شاہیں ہے نظر میں اپنی رکھ عرش بریں
کیوں چھپا بیٹھا ہے اب تو کھنڈروں کو چھوڑدے

ڈوبنا مرنا ہی ہے جس کے مقدر میں لکھا
وہ سفینے چھوڑدے کیوں کشتیوں کو چھوڑدے

شیخ جاتو جنت الفردوس اپنی دیکھ لے
اور ان رندوں کو، انکے میکدوں کو چھوڑدے

پہلے تو خنجر کے سارے داؤ سکھلائے مجھے
اور اب کہتا ہے، چھونا خنجروں کو چھوڑدے

ہاتھ میں بندوق لے کر دشمنوں پر ٹوٹ جا
اور اپنے ساتھیوں کی بستیوں کو چھوڑ دے

کود جا ساگر میں تو گوہر ملیں گے بالیقیں
یہ کنارے چھوڑدے ان ساحلوں کو چھوڑدے





مفلسوں کی بستیوں میں جب سے میں جانے لگا
اشک پینے کا سلیقہ مجھ کو بھی آنے لگا

غـــزل

چاٹ لی وقت کی دیمک نے کہانی سب کی
کس طرح باقی رہے کوئی نشانی سب کی

لغزشیں صرف فرشتوں سے نہیں ہوتی ہیں
ورنہ رنگین ہے دنیا میں کہانی سب کی

پوجا کرتا ہے کوئی ڈوبتے سورج کی کہاں
چڑھتے سورج سے عقیدت ہے پرانی سب کی

قہقہوں سے کبھی بھرپور کبھی اشکوں سے
ملتی جلتی ہے بہرحال کہانی سب کی

کیسا پیغام خدا جانے سحر لائی ہے
درد میں ڈوب گئی شام سہانی سب کی

غم کی رواد ہو یا شوق کا ہو افسانہ
خاص کر ایک ہی ہوتی ہے کہانی سب کی

حوصلہ اور بڑھا شعروسخن کا گوہر
جب غزل اپنی سنی ہم نے زبانی سب کی

★★★



ہر ایک شخص کو جانا ہے اس پہاڑی پر
مجھے بتائے کوئی آج کس کی باری ہے

غـــزل

منظروں میں یک بیک تبدیلیاں آتی ہیں کیوں
دیکھتے ہی دیکھتے آنکھیں چھلک جاتی ہیں کیوں

وہ تو گلچیں ہے کہاں گلشن کے ہر اک پھول نے
نکہتیں پھر اسکے دامن سے لپٹ جاتی ہیں کیوں

جانتی ہیں یہ بھی اک دن جال میں پھنس جائینگی
پھر بھی چڑیاں اسکی چھت پہ روز آجاتی ہیں کیوں

وہ بھی الجھا، میں بھی الجھا، بات بھی الجھی رہی
الجھنیں ہی الجھنوں کو اور الجھاتی ہیں کیوں

بھوک کے مارے سبھی ارمان تھک کر سوگئے
آس کی کرنیں انہیں آکر جگاجاتی ہیں کیوں

کل لگی تھی آگ جس گھر میں وہیں پر بجلیاں
گھومتی ہیں، تاکتی ہیں، کوندتی جاتی ہیں کیوں

دوستوں کی دوستی پر ناز تھا گوہر مجھے
اُن کی شکلیں آج بیگانی نظر آتی ہے کیوں

غــزل

دھرتی کا ہر حصہ اس کا چھین لیا
ہاتھ سے روٹی تن سے کپڑا چھین لیا

ایک گدا کے ہاتھ سے کاسہ چھین لیا
یعنی دن بھر کا سرمایہ چھین لیا

بھیس بدل کر شہر کے پہریداروں نے
اک تاجر کے ہاتھ سے بٹوا چھین لیا

آج پھروتی کے چکر میں لڑکوں نے
ایک بچی کی گود سے بچہ چھین لیا

دکھلایا کیا خواب سنہری کوٹھی کا
اس نے ماضی کا ہر لمحہ چھین لیا

سوچ رہا ہے اب مفلس فٹ پاتھوں پر
کس نے اس کا ٹھور ٹھکانہ چھین لیا

گوہر کو بہکا کر دنیا والوں نے
اس کا سارا مال اثاثہ چھین لیا



شعر

میرے بیٹے کے بدلے زر نہیں انسان لوٹا دو
میرے ٹوٹے ہوئے سپنے میرے ارمان لوٹا دو

غــــزل

کاغذ کے ٹکڑوں کی خاطر اس نے گلشن بیچ دیا
کالے دھن سے رات خریدی دیپک روشن بیچ دیا

وقت نے کیسا پلٹا کھایا ہرے پیڑ تک سوکھ گئے
فنکاروں نے پیٹ کی خاطر اپنا ہر فن بیچ دیا!

مئے نوشی کی لت میں پڑکر اک آوارہ بیٹے نے
چوری کرکے اپنے گھر سے ماں کا کنگن بیچ دیا!

بھائی کی عزت کی خاطر رسوائی سے بچنے کو
گھر کی لاج بچائی ایسے گھر کا کن کن بیچ دیا

چھوڑ چھاڑ کر لکھنا پڑھنا مزدوری پر چلا گیا
بھائی بہن کی خاطر اس نے اپنا بچپن بیچ دیا

فاقوں سے تنگ آکر آخر، کچھ سکوں کے لالچ میں
درد کی ماری دوشیزہ نے اپنا جوبن بیچ دیا

گوہرؔ سمجھا خود کو گیانی، کبھی کسی کی بات نہ مانی
بدھی اس کی ایسی کھوئی اپنا تن من بیچ دیا

شعر

تیری کل کل سے بے کل ہوا ہے گھر
کام پر روز کہتا ہے کل جائے گا

غزل

کون آتا ہے یہاں آگ بجھانے والا
جو بھی آتا ہے وہی آگ لگانے والا

ہوگئی رات نہیں کوئی بھی آنے والا
بھوکے بچوں کو مرے روٹی کھلانے والا

جیب خالی ہے تو احباب کہاں یار کہاں
کون ہے تیرا یہاں بوجھ اٹھانے والا

درد کی بات نہ کر، درد کے اسباب نہ پوچھ
قہقہہ کس نے لگایا تھا جلانے والا

موج کر، موج اڑا موج کی باتیں کرلے
آئینہ ٹوٹ گیا چہرہ دکھانے والا

اب پرندے نہیں رہتے ہیں چمن میں میرے
اب یہاں کون ہے پھر شور مچانے والا

مجھ کو خیرات میں گوہر کی تمنا کب تھی
میں پسینے سے ہوں تقدیر بنانے والا





آنکھیں تری نگاہ تیری روشنی تری
پھر بھی زمانہ کہتا رہا دیدہ ور مجھے

غزل

سارا منظر ہے دھواں رات ہے تنہا، تنہا
لمحہ ،لمحہ ہے گراں رات ہے تنہا تنہا!
پھر کوئی چیخ مرے کان سے ٹکرائی ہے
کس طرح جاؤں وہاں رات ہے تنہا ،تنہا!
زندگی اپنی اندھیروں کے حوالے کردو
ڈھل گئی کاہکشاں رات ہے تنہا تنہا!
پھر کسی چاند نے آغوش میں دم توڑدیا
کم کرو شور وفغاں رات ہے تنہا تنہا!
ہر طرف جامِ وسبُو، بزم طرب، رقصِ بُتاں
کس طرح کہہ دوں کہ ہاں، رات ہے تنہا تنہا!
ان اندھیروں میں کہاں چھوڑ کے جاتے ہو اسے
کتنا نازک ہے سماں رات ہے تنہا تنہا!
کس کو گوہر کہوں اور کس کو میں پتھر کہہ دوں
کوئی بتلائے یہاں رات تنہا، تنہا!

شعر

تم کہتے ہو اظہار تمنا نہیں اچھا
اچھا، نہیں اچھا، چلو، اچھا نہیں اچھا

غـــزل

تلخی سی جو آپ کی ہر بات میں ابھی
شاید کمی ہے میری ہی خدمات میں ابھی
خوشبو کہاں سے آئیگی مہکیں گے گل کہاں
گلشن چھپا ہوا ہے سیہ رات میں ابھی
پھر گفتگو کریں گے سلیقے سے بیٹھ کر
بہکے ہوئے ہیں آپ تو جذبات میں ابھی
نیرنگئ حیات پہ کیا تبصرہ کروں
الجھا ہوا ہوں تیرے خیالات میں ابھی
صدیاں گزر گئیں ہیں، زمانہ بدل گیا
اور آپ گم ہیں کہنہ روایات میں ابھی
فرصت ملی تو ڈھونڈ کے لاؤ نگا روشنی
بھٹکا ہوا ہوں وادئ ظلمات میں ابھی
گوہؔر نہ اس کو اتنا اٹھاؤ کہ گر پڑے
رہنے دو اس کو، اس کی ہی اوقات میں ابھی





دنیا کہے، کہے نہ کہے اصلیت مگر
دریائے بے کراں کا کنارا کوئی تو ہے

غزل

پہچان کر جب اس نے کہا اجنبی مجھے
معصومیت پہ اس کی ہنسی آگئی مجھے

دیوار و در، فصیل سبھی توڑتی ہوئی
ایسی چلی ہوا کہ اڑا لے گئی مجھے

اے لمحۂ حیات! ذرا دو گھڑی ٹھہر
دو چار بات کرنی ہے اس سے ابھی مجھے

میں خواہشوں کے گھور اندھیروں میں کھو گیا
لے آئی کس مقام پہ یہ زندگی مجھے

سورج کبھی اگا، تو کبھی چاندنی کھلی
کیا کیا فریب دیتی رہی روشنی مجھے

کچھ باوقار، پارسا، لوگوں کے درمیان
دوشیزۂ خلوص برہنہ ملی مجھے

گوہر میں اس کو ڈھونڈ رہا تھا یہاں وہاں
لیکن کوئی بھی راہ دکھائی نہ دی مجھے



ڈھونڈتا پھر رہا تھا میں جس کو پیڑ کو
زرد پتوں سے اس کا پتہ مل گیا

غزل

ہر شخص مرا سوزِ بیاں دیکھ رہا ہے
پلکوں پہ چراغوں کی دوکاں دیکھ رہا ہے

تپتے ہوئے صحرا میں بھٹکتا ہوا راہی
خود اپنے ہی پاؤں کے نشاں دیکھ رہا ہے

ڈھلتے ہوئے انسان کے کردار کا سورج
اک میں ہی نہیں سارا جہاں دیکھ رہا ہے

ہے دیکھنی زیبائشِ دنیا، تو ادھر آ !
دنیا سے الگ ہٹ کے کہاں دیکھ رہا ہے

پتھر لیے ہاتھوں میں بہت بھیڑ ہے لیکن
"دیوانہ خدا جانے کہاں دیکھ رہا ہے"

اک ہم ہیں کہ انجام بہاراں ہے نظر میں
اک وہ ہے کہ اسبابِ خزاں دیکھ رہا ہے

گوہؔر کی جگہ کانچ کی مالا ہے گلے میں
حیرت سے اسے سارا جہاں دیکھ رہا ہے



کل کل سے روز روز کی جی بھر گیا مرا
خنجر اٹھایئے کہ جھکاتا ہو سر کو میں

غـــزل

کوئی چوکھٹ نہ بچی مانگتے کھانے کے لیے
صرف اک میں ہی بچا ٹھوکریں کھانے کے لیے
جس کو دیکھا وہی دولت کا پجاری نکلا
کوئی رہبر نہ ملا راہ دکھانے کے لیے
بھیج دے کوئی فرشتہ کہ میں ناکام رہا
بھوکے بچوں کو میرے "لوری" سنانے کے لیے
پہلے در ٹوٹ گیا بعد میں دیوار گری
اب تو چھت بھی نہ رہی سر کو چھپانے کے لیے
ناخدا ڈوب گیا ہاتھ سے پتوار گری
کاش آجائے کوئی ناؤ بچانے کے لیے
ان ہرے پیڑوں کو مالی نے سزا دی ناحق
لکڑیاں بیچ دیں بھٹی میں جلانے کے لیے
آئینہ خانہ میں گوہر تو بہت ہیں لیکن
کوئی گوہر سا نہیں اپنا بنانے کے لیے



غـــزل

جب بھی وہ مڑ کے مسکرایا ہے
دل نے کیا کیا فریب کھایا ہے

زندگی سوچ تیرا کیا ہوگا
موت نے قہقہہ لگایا ہے

میں کسی حال میں نہیں تنہا
تو نہیں ہے تو تیرا سایا ہے

دل جو ٹوٹا تو یہ ہوا معلوم
غم بھی اپنا نہیں پرایا ہے

بجلیاں ہم پہ ٹوٹ ٹوٹ پڑیں
جب کوئی آشیاں بنایا ہے

ہر طرف اک اندھیر ہے برپا
وہ غضب روشنی نے ڈھایا ہے

حوصلہ تیرا کم نہیں گوہر
تو نے پتھر سے دل لگایا ہے



غزل

حادثوں کو بھی ذرا دل سے لگا کر دیکھو
شوق منزل ہے تو پھر پاؤں بڑھا کر دیکھو

بجلیوں تم نے نشیمن تو جلائے ہیں بہت
کوئی بجھتا ہوا دیپک بھی جلاکر دیکھو

ہر مہکتا ہوا موسم بھی تمیں چاہے گا
ان کو خوشبو کی طرح دل میں سما کر دیکھو

دوسروں کے لیے جلنے میں مزا ہے کیسا
صورت شمع کبھی خود کو جلاکر دیکھو

کون مجرم ہے تمہیں صاف نظر آئے گا
پردہ حالات کے چہرے سے اٹھاکر دیکھو

زندگی ہوگئی تقسیم کہاں کب کیسے
وقت کے جوڑ کو لمحوں سے گھٹا کر دیکھو

زندگی پیار سے ہوجائے گی گوہر گوہر
دل کسی بت کسی پتھر سے لگا کر دیکھو

شعر

بیٹے کی گیند، ماں کی دوا، اس کا دوپٹہ
اے زندگی میں تیرے لیے کیا خرید لوں

غـــزل

موت تیری ہمسفر ہے ان دنوں
زندگی تجھ کو خبر ہے ان دنوں

کیا کوئی طوفان آیا تھا یہاں
اجڑا اجڑا سا نگر ہے ان دنوں

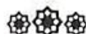
ہر گھڑی محسوس ہوتا ہے مجھے
ایک خوشبو ہمسفر ہے ان دنوں

میں سمٹ کر بند اک کمرے میں ہوں
اپنی آہٹ سے بھی ڈر ہے ان دنوں

ڈھونڈتے پھرتے ہیں سایہ پیڑ بھی
دھوپ کا کتنا اثر ہے ان دنوں

کانچ کی کرچیں لگا کر بام پر
آدمی کیوں بے خبر ہے ان دنوں

کیسا گوہر کونسا گوہر میاں
ایک پتھر بھی گہر ہے ان دنوں



غــزل

یقیں کیسے کریں اس کی بیاں پر
کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے زباں پر

وہ خود محتاج تھا یاروں دعاء کا
لگی ہے بھیڑ جس کے آستاں پر

جنہیں بستی میں رہنے کی ہے عادت
حکومت کیا کریں گے آسماں پر

نہ جانے کیا کتابوں میں لکھا تھا
کہ تالے پڑگئے اُس کی زباں پر

جہاں سے ہم اندھیرے ساتھ لائے
ملا تو تھا اجالا بھی وہاں پر

چلا چل ہمسفر منزل ملے گی
بھروسہ رکھ امیرِ کارواں پر

بڑے پردار گوہر تم بنے ہو
کبھی اڑکر دکھاؤ آسماں پر



غـــزل

ہے کوئی، حق پہ جو سر اپنا کٹا نے آئے
میری آواز سے آواز ملانے آئے

یہ تو مالی ہے وہی جس نے اجاڑا تھا چمن
اسکے دامن پہ بھی تم پھول سجانے آئے

ایسے انداز سے حالات نے گھیرا ہے مجھے
جیتے جی بھی نہ مرے ہوش ٹھکانے آئے

چھین کر ہاتھ سے روٹی مرے تن سے کپڑا
وہ غریبی کو مری یوں بھی مٹانے آئے

میں نے بوسیدہ سمجھ کر جنہیں رکھ چھوڑا تھا
وقت پر کام وہی کپڑے پرانے آئے

اس قدر رنگ چڑھے، ہوگئی چادر میلی
میری چادر کے کوئی داغ مٹانے آئے

رہبروں کے ہوں، جہاں بھیس میں رہزن گوہرؔ
پھر بھلا کون وہاں راہ دکھانے آئے



غـــزل

نہ جانے آج کس کس کی ہے باری
نگر میں آگئے ہیں پھر شکاری

کسی بھی شاخ پر پتے نہیں ہیں
ہواؤں نے بہت کی برف باری

تری تصویر کو کیا ہوگیا ہے
یہ کیوں! بھیگی ہوئی ہے آج ساری

سفر اب غیر کے کاندھوں پہ ہوگا
نہیں اس کے "سوا" کوئی سواری

سدا یہ پیڑ پھل دیتے رہیں گے
کرو تم لاکھ ان پر سنگ باری

یہ "ناؤ کاغذی" کیسے چلے گی
نہیں ہے اس میں کوئی پائیداری

خطا اب کر نہیں سکتے ہو گوہر
تمہاری ہر طرف ہے پہرہ داری



غـــزل

زمین بھول گئی آسمان بھول گیا
چمک دمک میں وہ سارا جہاں بھول گیا
سکھایا کرتا تھا اوروں کو ڈھنگ اڑنے کے
پڑی جو خود پہ اپنی اڑان بھول گیا
بس ایک پھول کی خاطر چمن کو بیچ دیا
تمام فرض ووفا باغبان بھول گیا
جہاں سے اس نے خریدی تھی زندگی اپنی
بہت زمانہ ہوا وہ دوکان بھول گیا
پڑے جو بھوک تھپڑ تو ہاتھ پھسل گئے
ذرا سی آن میں سب آن بان بھول گیا
قلم تو بیچ دی، پر کیا کہے گا "کل "اس کو
ہمارے عہد کا وہ ترجمان بھول گیا
یہی سنا تھا کہ گوہر زبان رکھتا ہے
جب اس سے بات ہوئی تو زبان بھول گیا



غــزل

کھلونے آج جو گھر میں سجے ہیں
کہاں اب ان سے بچے کھیلتے ہیں

کتابوں نے بدل ڈالا سلیقہ
بڑے چھوٹے ہوئے چھوٹے بڑے ہیں

نہ جانے کس نے ان کو بددعا دی
مسافر میل کے پتھر بنے ہیں

نکل سکتا ہوں میں جلتے مکاں سے
مگر کچھ لوگ باہر بھی کھڑے ہیں

انہیں سے پار کرنا ہے یہ دریا
ہمارے پاس جو کچّے گھڑے ہیں

مجھے وہ بستیاں دکھلاؤ یارو
جہاں بھونچال سے بچے مرے ہیں

انہیں تو راہبر اچھا ملا تھا
مگر گوہرؔ کو پھر بھی ڈھونڈتے ہیں



غــزل

ثمر پیڑوں پہ کیا آنے لگے ہیں
پرندے پھر سے منڈلانے لگے ہیں

بدل ڈالو گلی کا پیرہن اب
یہاں پتھر نظر آنے لگے ہیں

یہ مانا سب کے سب خالی ہیں پھر
قرینے سے تو پیمانے لگے ہیں

خزاؤں نے نشیمن پھونک ڈالا
گھٹالے رشوتیں کھانے لگے ہیں

وہ جن کے پاوں کے نیچے فلک تھا
وہی اب ہاتھ پھیلانے لگے ہیں

زمیں کا رُخ بلندی کی طرف ہے
گھروندے قصر کہلانے لگے ہیں

جو بن کر اجنبی آئے ہیں ملنے
گوہر وہ جانے پہچانے لگے ہیں



غـــزل

دھوپ جب پھیلی تو پتھر کو پسینہ آگیا
دھوپ جب سمٹی تو آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا

میں تو اک کشتی بنانے میں ابھی مصروف تھا
اور اچانک جانے کس جانب سے طوفاں آگیا

نکہتوں کو قید کرنے میں مگن تھا رات دن
پر میرے کردار کے شہتیر کو گھُن کھا گیا

آستانے پر کسی کے میں نے سر رکھا نہیں
پھر یہ کس کا در ہے، چوکھٹ ہے جہاں میں آگیا

آسماں روشن، سنہری دھوپ، مستانی ہوا
ایسے موسم میں اچانک کیسے کہرا چھا گیا

جب کبھی سوچا نکل کر گھر سے میں باہر چلوں
گاؤں کی پگڈنڈیوں پر وہ اچانک آگیا

ڈھونڈتا پھرتا تھا میں اک عمر سے گوہر ملے
پتھروں کے درمیاں گوہرؔ یکایک پا گیا



غــــزل

بستی میں مری آنکھوں کے بازار نہیں ہیں
آئینے کہاں بیچوں خریدار نہیں ہیں

مانا کہ اٹھانے کو ہمیں چار نہیں ہیں
پر مر نہ سکیں اتنے بھی لاچار نہیں ہیں

پیڑوں کے گھنے سائے تو رہتے ہیں سروں پر
پھل دیں کہ نہ دیں پھر بھی یہ بیکار نہیں ہیں

ایسا بھی نہیں ہے کہ اندھیرے نہ مٹیں گے
ماناکہ ابھی صبح کے آثار نہیں ہیں

مذہب انہیں بخشے گا نہ بخشے گا زمانہ
جو لوگ حقیقت کے طرفدار نہیں ہیں

گو اپنے ہی لوگوں نے جلایا ہے چمن کو
ہم پھر بھی اندھیروں کے پرستار نہیں ہیں

گوہر کا وہی مول ہے پہلے جو کبھی تھا
اب تاج نہیں شاہوں کے دربار نہیں ہیں



شعر

پھول پتوں میں کلیوں میں ڈھونڈا تجھے، کہکشاں چاند تاروں میں ڈھونڈا تجھے
آخری موڑ پر آگئی زندگی، مسکرادے ذرا، مسکرادے ذرا

غزل

کھلنے لگا ہے بھید میری آن بان کا
ہر اینٹ ساتھ چھوڑ رہی ہے مکان کا

روٹی ملی، لباس ملا، چھت بھی مل گئی
احسان ہم پہ کب ہے کسی آسمان کا

یہ جان کر بھی جان لگادی ہے داؤ پر
اس کی نظر میں مول نہیں کچھ بھی جان کا

ایمان کی ہے بات یہ ایمان سے کہوں
اچھا نہیں وہ آدمی اپنی زبان کا

زندہ دلی کے ساتھ سبھی الجھنیں گئیں
سر پہ ہمارے بوجھ تھا دنیا جہاں کا

سروس مجھے ملے نہ ملے کوئی غم نہیں
کیوں ڈھونگ رچ رہے ہو یہاں امتحان کا

جو کہہ دیا سو کہہ دیا گوہر زبان سے
اپنی جگہ سے ٹلنا غلط ہے چٹان کا



غـــزل

آج کے دور میں قاتل کی سزا ! رہنے دو
سرخرو ہے کہیں انصاف بھلا رہنے دو

درد کو دل کی پتا ہوں میں چھپا دینے دو
اپنے خوابوں کے شبستاں کو سجا رہنے دو

دامن شوق میں خاروں کے سوا کچھ بھی نہیں
کیا بتائیں جو بہاروں سے ملا، رہنے دو

بھیڑ لوگوں کی ہے پتھر لیے ہاتھوں میں بہت
خیر چاہو تو حقیقت کو چھپا رہنے دو

ان دریچوں نے زمانے کے تغیر دیکھے
ان دریچوں کو بہر حال کھلا رہنے دو

کعبہ و دیر سے بچ کر چلو میخانہ چلیں
گردش وقت کو ٹھوکریں میں پڑا رہنے دو

یوں نہ ٹھکراؤ کہ دنیا اسے پتھر سمجھے
اپنے گوہر کا بھرم کچھ تو بنا رہنے دو



غزل

ہوچکی شام سفر لوٹ کے گھر جاؤں گا
صبح آواز اگر دے گی چلا آؤں گا

میرے ہاتھوں کی لکیریں نہیں تقدیر مری
جب بھی چاہوں گا میں آفاق پہ چھاجاؤں گا

دوستی تیرا بھرم مجھ کو سدا رکھنا ہے
اور بھی دھوکے ملیں گے تو میں کھاجاؤں گا

چہرہ اشکوں سے ہے تر زخموں سے چھلنی سینہ
زندگی تجھ کو ترے نام سے شرماؤں گا

ہم نے آغوش میں ساحل کو چھپائے رکھا
ورنہ طوفان کے تیور تھے کہ کھاجاؤں گا

مجھ کو عادت نہیں لہروں کے کنارے سے گنوں
تہہ میں ساغر کے جو گوہر ہیں اٹھا لاؤں گا

شعر

میں تو پھر مطلع سنانے کیلئے بیتاب ہوں
زندگی مجبور کرتی ہے اب مقطع پڑھوں

غــــزل

جھوٹ کو میٹھا کہو سچائی کو کڑوا کہو
آج کل کے دور میں جو کچھ کہو الٹا کہو

پیڑ کو پودا کہو،اور گل کو، گلدستہ کہو
کون روکے گا تمہیں الٹا کہو سیدھا کہو

جس کے آنگن میں نہ کھلتے ہوں مرادوں کے کنول
ایسے گھر کو دوستو جنگل کہو صحرا کہو

کیا کہیں دریا کو اپنے ظرف میں خاموش ہے
اور قطرہ کہہ رہا تم مجھے دریا کہو

جبکہ وہ ہر روز تازہ زخم دیتا ہے مجھے
پھر بھی دل مجبور کرتا ہے اسے بیٹا کہو

ہر طرف ٹوٹی ہیں سڑکیں۔گندگی کے ڈھیر ہیں
پھر بھی یارو شہر اپنا ہے اسے اچھا کہو

پتھروں میں بھی الگ پہچان رکھتا ہے گوہر
جو نہ سمجھے اس کو اس کی آنکھ کا دھوکہ کہو



غزل

کتنی باتیں بنا رہا ہے وہ
اک تماشہ دکھا رہا ہے وہ

میرے دل اور میرے آنگن میں
ایک دیوار اٹھا رہا ہے وہ

پیڑ جو سائے دار تھے یارو
ان کو نیچے گرا رہا ہے وہ

اب ہمالہ کی سربلندی کو
اپنا مسکن بنا رہا ہے وہ

شہر میں یہ مکان کس کا ہے
آگ جس کو لگا رہا ہے وہ

دھندلے دھندلے ہیں چاند اور سورج
دھول کتنی اڑا رہا ہے وہ

کھوٹے سکّے اچھال کر گوہر
جھوٹے سپنے دکھا رہا ہے وہ



غــزل

صبح سے پہلے شام کی حد ہے
اپنے اپنے مقام کی حد ہے

اپنا دامن ہی ہم نے پھاڑ لیا
جذبۂ انتقام کی حد ہے

دھوپ ہی دھوپ گھر میں پھیل گئی
ظلمتوں کے نظام کی حد ہے

منزلوں کا قیام بھول گئے
سفرِ ناتمام کی حد ہے

میری آواز تک نہیں چھوتی
اس کے اونچے مقام کی حد ہے

گردشیں رک گئیں زمانے کی
رقصِ مینا وجام کی حد ہے

ہر کسی کو پسند ہے گوہر
میرے اپنے کلام کی حد ہے



غــزل

مجھے منزل بلاتی رہی ہے
مری ہمت بڑھائی جارہی ہے
اسے ہر گام پر ٹھوکر ملے گی
تھکن اس کی بتاتی جارہی ہے
یہ سوچا تھا کہ سائے کو پکڑلوں
اسے بھی دھوپ کھاتی جارہی ہے
یقیناً ہے کوئی سازش صبا کی
جو کلیوں کو سُلاتی جارہی ہے
خوشی بھی المیہ ہے زندگی کا
ہنسی غم کو بھلاتی جارہی ہے
پہاڑ اب ذرہ ذرہ ہوچکے ہیں
زمیں پودے اگاتی جارہی ہے
لکھوں کیا حال کی تاریخ گوہر
سیاہی لفظ کھاتی جارہی ہے



غــــزل

بشر یہ آج کا کیا چاہتا ہے
فلک پر گھر بنانا چاہتا ہے
ستم کرتا رہا جو ہم پہ اب تک
وہی دل میں سمانا چاہتا ہے
یہ کیسی ریت ہے تیرے نگر کی
ہر اک پتھر اٹھانا چاہتا ہے
ہیں جتنے داغ پیشانی پہ میری
میرا بیٹا مٹانا چاہتا ہے
وہ جس کا چہرہ خود بگڑا ہوا ہے
وہی شیشہ دکھانا چاہتا ہے
کبھی قطرہ، کبھی دریا ہی دریا
مجھے وہ کیا بنانا چاہتا ہے
زمیں پر پھینک کر گوہر کو اپنے
وہ کیوں پتھر اُٹھانا چاہتا ہے



غــــزل

ان سے ہم رسم وراہ کر لیتے
یعنی خود کو، تباہ کر لیتے!

بعد میں کرتے تبصرہ ہم پر
پہلے خود پر نگاہ کر لیتے

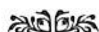
غیر ممکن تھا، ان کا ساتھ اگر
جیسے ہوتا "نباہ" کر لیتے

آپ وعدہ تو کرتے آنے کا
چشم ودل فرشِ راہ کر لیتے

بعد میں رکھتے منزلوں پہ قدم
پہلے ہموار، راہ کر لیتے

آس ہم بھی لگائے بیٹھے ہیں
ہم پہ بھی اک نگاہ کر لیتے

کب سے گوہر کے ہاتھ اٹھے ہیں
اُس پہ بھی اک نگاہ کر لیتے



غــزل

خون میں ڈوب گئے پیار کے منظر کتنے
ہم نے اشکوں میں ڈبوئے ہیں سمندر کتنے

آشیانے کو لگی آگ چمن سے نکلے
موسمِ گل نے ستم ڈھائے ہیں ہم پر کتنے

اونچے محلوں سے کبھی دیکھئے فٹ پاتھوں کو
بھوکے ننگے نظر آجائیں گے بے گھر کتنے

جھوٹ کی دار پہ، ہر سچ کو چڑھادیتے ہیں
منصف وقت ہیں بے دردو ستمگر کتنے

میں جو چاہوں بھی تو کیا بچ کے نکل سکتا ہے
مجھ کو گھیرے ہیں تیری یاد کے لشکر کتنے

ڈوبنا ہی تھا مقدر، لب ساحل ڈوبے
یوں تو ہم نکلے تھے طوفاں سے بچ کر کتنے

گوہر اک پھول کی اس دل نے تمنا کی تھی
ہاتھ میں لے لیے احباب نے پتھر کتنے



غـــزل

ان سے کیا ہم نے دوستی کرلی
اک زمانے سے دشمنی کرلی

اپنی دنیا میں تیرگی کرلی
کیا ہواؤں سے دوستی کرلی

بات آگے بڑھے، بڑھے نہ بڑھے
گفتگو ان سے کرنی تھی کرلی

نام لکھ کر فصیلِ دل پہ ترا
اپنے آنگن میں روشنی کرلی

زندہ دل ہم سمجھ رہے تھے جسے
آج اس نے بھی خود کشی کرلی

دیکھ کر دھوپ چھاؤں کے رشتے
رشتہ داروں میں کچھ کمی کرلی

عید کا چاند ہوگیا گوہر
کیا کہیں اُس نے نوکری کرلی



غزل

چڑھ کے دریا اتر گیا کیسے
درد حد سے گزر گیا کیسے

سب تہی دست جس کو سمجھے تھے
میرے دامن کو بھر گیا کیسے

جھوٹ ہی جھوٹ جن کا شیوہ تھا
ان کا شیوہ نکھر گیا کیسے

منزلوں کی تلاش تھی جس کو
راستہ میں ٹھہر گیا کیسے

ناز تھا جن کو بادہ خواری پر
ان کا نشہ اتر گیا کیسے

آئینہ میں وہ شکل کس کی تھی
میں خود اپنے سے ڈر گیا کیسے

آج گوہرؔ کو کیا ہوا یارو!
بات کہہ کر مکر گیا کیسے

شعر

چوپائی اور آیت لکھ کر سوچ رہا آج قلم
کس نے دونوں کو لڑوایا یہ بتلانا مشکل ہے

غـــزل

برا تو وہ برابر بولتا ہے
مگر کچھ مسکرا کر بولتا ہے

بچی ہو کوئی روٹی تو کھلا دے
گلی میں اک گداگر بولتا ہے

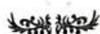
کبھی لڑتا ہے روٹی کے لیے وہ
کبھی وہ گڑگڑا کر بولتا ہے

ذرا سی دیر کو ہنس لو ہنسا لو
یہ شبنم سے گل تر بولتا ہے

کبھی وہ خود ہی مٹ جاتا ہے مجھ پر
کبھی مجھ کو مٹا کر بولتا ہے

اسی ماحول سے نکلے گا سورج
یہ سناٹا جو گھر گھر بولتا ہے

پڑھے جاتے ہیں جب اشعار میرے
پتہ چلتا ہے گوہرؔ بولتا ہے



غـــزل

چلو چلیں وہیں ہم لوٹ کر جہاں سے چلے
مگر بتائیے ہمیں کوئی ہم کہاں سے چلے

وہ اپنی منزل مقصود سے بھٹک نہ سکے
جو لوگ ساتھ سدا میر کارواں کے چلے

ہزار بار پکارا ہے روشنی نے مگر
جہاں اندھیرے تھے لیکن نہ ہم وہاں سے چلے

وہ کیا کریں گے تری بارگاہ میں آکر
جو بے مراد ترے سنگِ آستاں سے چلے

میری زبان پہ پہرے لگادیئے تھے مگر
جو بول سکتے تھے وہ بھی تو بے زباں سے چلے

وہ جن کے پاس نہیں ہیں شعور کی آنکھیں
تیرا پتہ اسے پھر کون سے جہاں سے چلے

قدم قدم پہ محبت کے تذکرے ہوں گے
گوہر کا ذکر اگر تیری داستاں سے چلے

غـــزل

لاکھ کوشش ہم نے کی ان کو منانے کے لیے
وہ سدا بیٹھے رہے ہم کو ستانے کے لیے

ہوشیاری سے نہیں ہے کم مری دیوانگی
کھودیا ہے خود کو میں نے اسکو پانے کے لیے

وہ کریں گے قتل یہ معلوم تھا، معلوم ہے
پھر بھی خنجر رکھ دیا ہے آزمانے کے لیے

کیا بتائیں دل لگا کر ان سے ہم کو کیا ملا
عمر بھر رونا پڑا ہے مسکرانے کے لیے

اس طرح رُخصت ہوئی ہے زندگی سے ہر خوشی
جیسے ہم ہی رہ گئے ہوں غم اٹھانے کے لیے

آشیانے پر مرے ہی ٹل گئی اچھا ہوا
برق تو کوندی تھی گلشن کو جلانے کے لیے

یہ بھی کم شہرت نہیں گوہر کسی کی یاد میں
اک تماشہ بن گئے ہیں ہم زمانے کے لیے



غـــزل

حالانکہ جرم لاکھ تھے اس بے زبان پر
منصف نے پھر بھی چھوڑدیا ایک بیان پر
میرا ہے جسم پھر بھی مجھے جانتا نہیں
حالانکہ بورڈ کتنے ہیں اپنے مکان پر
دھرتی پہ رہ کے سوچ نہ تو آسمان کی
پاؤں کو پختگی سے جمالے ڈھلان پر
چڑیوں چلو گھروں کو زمانہ بدل گیا
بجلی چمک رہی ہے کھلے آسمان پر
آنکھیں تو دیکھتی ہیں مگر کیا کہے کوئی
تالے پڑے ہوئے ہیں ہر اک کی زبان پر
ممکن نہیں شکار کوئی ہاتھ لگ سکے
بیٹھے ہوئے ہیں، کتنے شکاری مچان پر
گوہر چمک دمک پہ نہ دنیا کی کریقیں
پکوان پھیکا ملتاہے اونچی دوکان پر



آندھیاں تیز ہیں آج کل
پیڑ اپنے بچا لیجئے

غــزل

اپنی ہے بہار اپنا چمن اپنی صبا ہے
پھر بھی نہیں پھولوں میں مہک ماجرا کیا ہے

جس شخص کی خاطر ہوئے بدنام جہاں میں
اس شخص کی خاطر مرے ہونٹوں پہ دعا ہے

مصنف بنا بیٹھا ہے ہر اک قاتل دوراں
انصاف بھی اس دور میں خود ایک سزا ہے

اب گر کے سنبھل جاؤں تو یہ میرا مقدر
حالات نے مجھ کو مرے ٹھکرا تو دیا ہے

نغمہ ہے کوئی ساز نہ آواز ہے کوئی
سناٹا مگر چاروں طرف چیخ رہا ہے

پہلی سی وہ گرمی ہے نہ وہ دھوپ میں شدت
لگتا ہے سورج کا بدن برف ہوا ہے

گوہر سے ہوا ترکِ تعلق کا سبب کیا
کچھ تم نے سنا، اس نے کبھی کچھ بھی کہا ہے



میرا محسن کس قدر چالاک تھا بدلہ نہیں
کاٹ دی گردن میری کہتا رہا بدلا نہیں

غزل

زندگی کی بھیڑ میں بڑھتے رہو سوچو نہیں
کیا بنے گا کل تمہارا چھوڑ دو سوچو نہیں

گھر جلا، بیٹا مرا، احباب بھی جاتے رہے
پھر بھی تو جینا ہے، آنسو پونچھ لو، سوچو نہیں

زندگی کے حادثوں سے جو لڑا زندہ رہا
تم بھی ایسی جنگ سے لڑتے رہو سوچو نہیں

قافلے کے لوگ جو تھک سے گئے رک سے گئے
ساتھ ان کا چھوڑ دو آگے بڑھو سوچو نہیں

جن کے پڑھنے سے خلوص و پیار میں آئے خلل
پھینک دو ایسی کتابیں پھونک دو سوچو نہیں

پیڑ، پتے، دھوپ، سایہ، سب کے سب تبدیل ہیں
اس پرانی اوڑھنی کو پھینک دو سوچو نہیں

کتنا ہی گہرا سمندر ہو اگر گوہر ملیں
ڈوب کر بھی سیپیوں کو ڈھونڈ لو سوچو نہیں



غــزل

دوچار گام ساتھ اگر وہ کبھی چلے
ہنستی مچلتی گاتی ہوئی زندگی چلے

ہر اک قدم پر مات ہی کھانی پڑی ہمیں
جو چال ہم چلے وہ نہایت بری چلے

وہ چاہتا ہے بانٹ لو پرُکھوں کا یہ مکاں
میں سوچتا ہوں بھائی سے کیا دشمنی چلے

ماحول اس جگہ کا اب اچھا نہیں رہا
جو بات بھی چلے وہ فقط سرسری چلے

ہر شعبۂ حیات میں ہوتا ہے کامیاب
اپنی ڈگر سے ہٹ کے نہ گر آدمی چلے

وہ میرے ساتھ ساتھ چلے ہیں کچھ اس طرح
سائے کے ساتھ جیسے کوئی روشنی چلے

کاغذ کی "ناؤ" میں نے بنائی تو ہے گوہر
یہ دیکھنا ہے ساتھ کہاں تک "مری" چلے



غــزل

ساغر و مینا کہاں، ساقی کے دیوانے کہاں
جان دیں جو میکدہ پر ایسے مستانے کہاں

جو پلے ہوں بھوک اور افلاس کی آغوش میں
ایسے بچوں کے لیے پریوں کے افسانے کہاں

میں اکیلا گھر گیا ہوں دشمنوں کی بھیڑ میں
وہ میرے ہمدرد ساتھی جانے پہچانے کہاں

جن کو چھونے کے لیے بادِ صبا ہے مضطرب
گل وہ او جھل ہو گئے آنکھوں سے اب جانے کہاں

جن چراغوں کے اجالوں کو اندھیرے کھا گئے
ان چراغوں پر کریں ماتم وہ پروانے کہاں

پہلے آجاتی تھی لیکن عالمِ افلاس میں
اب ہماری چھت پہ چڑیوں کے لیے دانے کہاں

کس طرح ان اعلیٰ کرداروں کی پیمائش کریں
اس زمانے میں گہر اب ایسے پیمانے کہاں



غــزل

ہے غریبی کا برا انجام میں واقف نہ تھا
صبح کے بدلے ملے گی شام میں واقف نہ تھا
کیا خبر تھی جب بدل جائے گی ساقی کی نظر
تشنہ رہ جائے گا میرا جام میں واقف نہ تھا
عہدِ ماضی کی ہے چادر آج تک لپٹی ہوئی
بھول نہ پاؤں گا تیرا نام میں واقف نہ تھا
راستی کے راستوں پر پتھروں کا پھینکنا
ہے یہی لوگوں تمہارا کام میں واقف نہ تھا
راستہ اس کی گلی کا میں نے دیکھا تک نہیں
پھر بھی، میں ہو جاؤں گا بدنام میں واقف نہ تھا
جلتے جلتے خود ہی شمع زندگی بجھ جائے گی
آئے گی ایسی بھی کوئی شام میں واقف نہ تھا
وقت کی آندھی اڑا لے جائے گی گوہر ہمیں
موتیوں کا ہوگا یہ انجام میں واقف نہ تھا



غزل

یہ پھول کس کے ہیں، یہ باغبان کس کا ہے
کرو یہ فیصلہ یہ گلستان کس کا ہے

بہانہ دیں کہیں طوفاں کی سر پھری موجیں
ندی کے پاس یہ کچا مکان کس کا ہے

عبور کرلیا ہم نے تو آگ کا دریا
یہ دیکھنا ہے کہ اب امتحان کس کا ہے

یہ کون رکھ گیا فٹ پاتھ پر گناہ کا بوجھ
یہ جرم کس کا ہے یہ ترجمان کس کا ہے

یہیں کہیں کو ہمارا بھی تھا مکان کبھی
جلا بجھا سا یہ خالی مکان کس کا ہے

لبوں پہ نام ترا، خلوتوں میں ذکر ترا
سوائے تیرے مجھے اور دھیان کس کا ہے

شکاری اور بھی آئے ہیں آج جنگل میں
وہ دیکھ سامنے گوہر مچان کس کا ہے

شعر

آج شمشان کو ضرورت تھی
ایک شجر فیضیاب دے آئے

غزل

منزلوں نے راستے مشکل بنا کر رکھ دیئے
حوصلوں نے بھی قدم اپنے جما کر رکھ دیئے

موج طوفان آئے تو مایوس نہ لوٹے کہیں
کچھ گھروندے ہم نے ساحل پر بنا کر رکھ دیئے

تتلیاں جو چومتی پھرتی تھیں پھولوں کا بدن
وقت کے شعلوں نے ان کے پر جلا کر رکھ دیئے

یہ سنا ہے آندھیاں آئیں گی ملنے کے لیے
اس لیے دیپک فصیلوں پر جلا کر رکھ دیئے

جب بھروسہ کرلیا ہے ناخدا کی ذات پر
بادباں اپنے سفینوں کے اٹھا کر رکھ دیئے

جن سے میری ذات کا ملتا رہے مجھ کو پتہ
میں نے ایسے آئینے گھر میں سجا کر رکھ دیئے

مفلسی میں اپنی گوہرؔ آب سب جاتی رہی
گردشوں نے نقشِ تابندہ مٹا کر رکھ دیئے



غـــزل

مر گیا ہوں مری ارتھی کو اٹھاؤ جلدی
سر سے یہ بوجھ بھی رشتوں کا گراؤ جلدی
پھول،مالائیں نہ مرجھا کے بکھر جائیں کہیں
میری تصویر کو کمرے میں سجاؤ جلدی
رات تاریک ہے اور صبح کی امید نہیں
کوئی سورج اسی دھرتی سے اگاؤں جلدی
چیخ فٹ پاتھ کی کانوں میں نہ پڑ جائے کہیں
گھر کی دیوار کو اور اونچا اٹھاؤ جلدی
چین سے ایک بھی پل جینے کی حسرت ہے اگر
خود کو ماحول سے بیگانہ بناؤ جلدی
کیا خبر جب مرو بازار میں ہڑتال رہے
احتیاطاً ہی کفن اپنا منگاؤ جلدی
دیر ہوجائے گی برباد ہوئے لوگوں کو
گوہر حالات کا آئینہ دکھاؤ جلدی



غــــزل

سوکھے پتّوں کو ہواؤں میں اڑائے رکھئے
پھر بہار آئے گی یہ آس لگائے رکھئے

یاد اسکی نہ اندھیروں میں بھٹک جائے کہیں
دل کی چوکھٹ پہ کوئی دیپ جلائے رکھئے

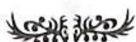
جب ہے مرنا تو بھلا گھُٹ کے ہی مرنا کیوں ہو
گھر کی دیواروں میں کچھ در بھی بنائے رکھئے

پھول مرجھائینگے اور پھینک دیئے جائینگے
دل کے گلدستہ میں کانٹے بھی سجائے رکھئے

منزلِ شوق میں پتھر ہی نہیں موڑ بھی ہیں
راستے پیار کے ہموار بنائے رکھئے

یوں تو ہاتھوں کی لکیریں بھی بدل جاتی ہیں
اپنا ایمان مقدر پہ جمائے رکھئے

آج گوہر ہے تو گوہر ہی رہے گا کل بھی
اپنے گوہر کو کلیجے سے لگائے رکھئے



غزل

اک مصور کورا کاغذ سب کو دکھلاتا رہا
'آرٹ' کا بہتر نمونہ اس کو بتلاتا رہا
لوگ آئے تھے تعاقب میں کہ قاتل کون ہے
اور وہ منصف بنا انصاف فرماتا رہا
کس قدر مایوس تھا دریا روانی کے لیے
اپنے سر کو رات دن ساحل سے ٹکراتا رہا
جس جگہ کا رنگ پھیکا تھا چھپا کر ہاتھ سے
اپنی چادر کے سبھی اوصاف گنواتا رہا
لوگ ہی اندھے تھے شاید اسکے پیچھے چل پڑے
ایک اندھا راستہ ان سب کو دکھلاتا رہا
جانے کس نے لکھ دیا تھا خط محبت کا مجھے
زندگی بھر میں اسے لوگوں سے پڑھواتا رہا
جانے کب انسان اپنے آپ کو پہچان لے
آئینہ گوہر سبھی چہروں کو دکھلاتا رہا



غزل

موم کی مانند جسم وجاں پگھل کر رہ گئے
چلچلاتی دھوپ میں سائے جھلس کر رہ گئے

اڑنے پنچھی روتے جوگی چھوڑ کر چلتے بنے
وقت کی ظالم کلہاڑی پیڑ ہنس کر سہہ گئے

خواب بننے میں لگی رہتی ہے دنیا رات دن
نید ٹوٹے گی تو دیکھے گی جزیرے بہہ گئے

کشتیاں چلتی رہی ہیں اور چلتی جائیں گی
ناخدا طوفان سے گرچہ اُلجھ کر بہہ گئے

چلتے پہیوں سے لپٹ کر زندگی رونے لگی
آتے جاتے لمحے شاید کان میں کچھ کہہ گئے

رہ گئی کٹ کر زبان ہر جذبۂ احساس کی
ورنہ اشک غم بتاتے کتنے صدمہ سہہ گئے

جن کے جلوؤں سے منوّر تھا حریم زندگی
کیا خبر گوہر کہاں وہ میرے مہرو مہہ گئے

★★★

غــزل

کبھی اس سے جب سامنا ہوگیا ہے
تو چہرہ مرا آئینہ ہوگیا ہے
سمجھتے تھے جس کو سبھی اک سمندر
وہی قطرہ قطرہ جدا ہوگیا ہے
ہوا دار تھا جو دریچہ مکاں کا
نہ جانے کدھر وہ ہوا ہوگیا ہے
کوئی فرق چھوٹے بڑے میں نہیں اب
ہر اک شخص جیسے خدا ہوگیا ہے
مری چھت کی کڑیاں گریں جب سے یارو
مجھے آسماں کا پتہ ہوگیا ہے
سبھی خود فریبی میں الجھے ہوئے ہیں
نہ جانے زمانے کو کیا ہوگیا ہے
گہر کانچ کے بھاؤ بکنے لگے ہیں
چلن اب زمانے کا کیا ہوگیا ہے



غـــزل

یہ حادثے صدیوں سے مرے ساتھ رہے ہیں
لمحوں کے جنازے مری پلکوں پہ سجے ہیں

کل تک جو مرے ساتھ تھے وہ روٹھ گئے ہیں
ارمان سبھی ٹوٹ گئے خواب بچے ہیں

ارباب چمن غنچہ وگُل تم کو مبارک
آنگن میں ہمارے بھی بہت پھول کھلے ہیں

کچھ لوگ جئے آرزوئے نورِ سحر پر
کچھ لوگ اندھیروں کی پناہوں میں پلے ہیں

لمحوں سے جو پایا ہے وہ چہرے سے عیاں ہے
صدیوں نے جو بخشے ہیں وہ غم دل میں چھپے ہیں

تاریخ کو اے اہلِ نظر غور سے پڑھنا
تاریخ کے پردے میں کچھ اسرار چھپے ہیں

ہم ڈھونڈ رہے ہیں کوئی گوہر سا ملے گا
اس ہوشربا شہر میں ہم آتو گئے ہیں



غزل

اپنی خودی کو آپ ہی ٹھکراکے دیکھ لیں
دامن اسی کے سامنے پھیلاکے دیکھ لیں

بوڑھا شجر ہے کتنا بھی اس کا محال ہے
دیوار اب مکان کی کھسکاکے دیکھ لیں

لوگوں سے یہ سنا ہے کہ مرنا سبھی کو ہے
مرنے سے پہلے جینے کا غم کھاکے دیکھ لیں

بیٹے کی ضد ہے چاند کو جھولی میں ڈال دو
ممکن نہیں ہے بات یہ، سمجھا کہ دیکھ لیں

تالاب کے لبوں پہ بھی پپڑی سی جم گئی
تھوڑی سی آگ پانی میں جلواکے دیکھ لیں

گوہرؔ نہ ان کو آنا ہے نہ آئیں گے مگر
دل کو تسلیوں ہی سے بہلاکر دیکھ لیں



غــــزل

ڈھونڈا اِدھر اُدھر کہ وہ مل جائے گا کہیں
لیکن نہ مل سکا مجھے دل کے سوا کہیں

ملنے کا غم کبھی ہے بچھڑنے کا غم کبھی
ٹوٹا ہے! تیرے غم کا کوئی سلسلہ کہیں

جو تیری بارگاہ سے منہ موڑ کر گیا
کیا اس کو پھر جہاں میں ٹھکانہ ملا کہیں

ہر شخص کی نگاہ میں قاتل کی شکل ہے
پھر بھی کسی کا نام کسی نے لیا کہیں

روئیں ہم اس کے سامنے فریاد کیا کریں
کھاتا ہے زخم کوئی ستم آشنا کہیں

کانٹوں کے ساتھ پھول بھی بدنام ہوگئے
گلشن کا راز لے اڑی بادِ صبا کہیں

کانٹوں کی ایک سیج ہے گوہر حیاتِ شوق
ہوجائے تار تار نہ اپنی قبا کہیں



غــزل

مذہب کی بات آئی تو تیور بدل گئے
اتنی ذرا سی بات پہ خنجر نکل گئے

آیا کسی کاذکر تو آنسو نکل گئے
کتنے نہ جانے پیار کے سوتے ابل گئے

ایماں کا درس دیتے رہے دیں کے پاسباں
ایماں فروش نقرئی سکوں میں ڈھل گئے

اب کے برس تو پیڑوں پہ گزری بہت برُی
خشکی سے جو بچے تھے وہ پانی سے گل گئے

ملتا پرائی آگ میں جلنے سے کیا ہمیں
ہم اپنے ہی جلائے چراغوں سے جل گئے

وہ تبصرے ہی کرتے رہے ماہ و نجم پر
اور ہم! کہ چاند تاروں سے آگے نکل گئے

گوہرؔ جو میرا محسن ودمساز تھا کبھی
نفرت کے ناگ اس کی قباؤں میں پل گئے



غــــزل

ہیں مرے پاس بہت پھول اٹھالے کوئی
اپنے ویرانے کو گلزار بنالے کوئی

چھن گیا مجھ سے تری یاد کا سرمایہ بھی
اب مرے پاس بچا کیا! جو چرالے کوئی

میں نے اک عمر سے دل اپنا جلا رکھا ہے
اپنے بے نور چراغوں کو جلا لے کوئی

کھائے ہیں ہم نے زمانے سے کچھ ایسے دھوکے
اب نہیں، غم کسی صورت بھی ستالے کوئی

ہرطرف رنگ ہیں بکھرے ہوئے جلوؤں کے ترے
جس طرح چاہے جو تصویر بنالے کوئی

تو کہیں بھی ہو مگر کھینچ کے چلا آئے گا
ہاتھ اپنے جو دعاؤں کو اٹھالے کوئی

کیسی بدلی ہے ہوا لگتے ہی گوہر پتھر
جوہری کوئی نہیں جس کو دکھالے کوئی

شعر

نگاہیں سرخ تھیں بیٹے کو اپنے ڈانٹ دیا
وہ ہو گیا ہے کبھی کا جوان بھول گیا۔

غــــزل

ڈھونڈتے کیوں ہو ہم نواؤں کو
جب بھگتنا ہی ہے سزاؤں کو
جن کے ایمان میں کمی ہو کوئی
کوستے ہیں وہی دعاؤں کو
پیار میں وہ پہلی بات کہاں
دھوکہ کہتے ہیں سب وفاؤں کو
کیوں بناتے ہو ایسی دیواریں
قید کرتی ہوں جو ہواؤں کو
آج کل ہر کوئی مسیحا ہے
موت آتی نہیں دواؤں کو
رہنمائی ہو رہزنی جن کی
چھوڑ دو ایسے رہنماؤں کو
وہ فرشتہ صفت بشر ہے گوہر
مان لیتا ہے جو خطاؤں کو

شعر
تم بھٹک کر کدھر جا رہے ہو
لوٹ کر گھر پہ آنا پڑے گا

غــزل

حق و انصاف کا مراں ہوگا
ظلم اک روز بے نشاں ہوگا

کب کسی نے یہ سوچا تھا
سر پہ سورج کا سائباں ہوگا

جب کوئی چاند مسکرائے گا
غیرتِ حُسن، کہکشاں ہوگا

میرے ہی ساتھ ہے وجود مرا
میرے ہی ساتھ بے نشاں ہوگا

دل جلائے گا جب کوئی میرا
شعلے اٹھیں گے اور دھواں ہوگا

پھول جس نے اٹھالئے تیرے
کوئی تیرا ہی مہرباں ہوں

حوصلے ہوں گے جب جواں گوہؔر
فکرِ جادہ نہ کارواں ہوگا





کیوں روٹیوں کے واسطے یوں گڑ گڑائیے
ہے بازوؤں میں دم تو نہیں چھین لائیے

غـــزل

عزم محکم ہے تو پھر ہم کیوں نہ منزل پائیں گے
راستوں کے پیچ و خم تو خود بخود ہٹ جائیں گے

اب کسی محفل میں کوئی شمع جلتی ہی نہیں
سوچنا یہ ہے کہ پروانے کہاں پر جائیں گے

ہو ہر اک غنچے میں جن کے خون کی رنگت بھری
وہ محبانِ چمن اب ہم کہاں سے لائیں گے

شیشہ و ساغر سے پی کر ہے بہک جانے کا ڈر
ساقی آنکھوں سے پلا ہم ہوش میں آجائینگے

ہم کو شاید اپنی ہی صورت لگے گی اجنبی
جب تجھے اے زندگی ہم آئینہ دکھلائیں گے

کب زمانے نے کسی کو چین سے رہنے دیا
جو تیری محفل سے اٹھ کر جائینگے پچھتائیں گے

پتھروں کے شہر میں گوہر کہاں اپنا گزر
ہم چٹانوں سے کہاں تک اپنا سر ٹکرائیں گے



کتابوں، کاپیوں سے ہو گیا بستہ میرا خالی
کسی کو کیا بتاؤں بیچ کر ماں کی دوا لایا

غزل

نشیمن پھر چمن میں جل رہا ہے
زمانہ ہاتھ اپنے مل رہا ہے

بنا تالاب وہ پانی رُکا جب
اسے دریا کہو جو چل رہا ہے

جڑیں اس کی بہت گہری گئی تھیں
پرانا پیڑ جو اب پھل رہا ہے

یہ ٹھانی تھی کہ اب نہ دیر ہو گی
مگر ہر کام کل پر ٹل رہا ہے

تھی جس کی آرزو برسوں سے تم کو
وہی گل شاخ پہ اب پل رہا ہے

بڑی میٹھی تھی جس کی ٹیس کل تک
وہ کانٹا آج دل کو کھل رہا ہے

محبت سے خریدا ہم نے گوہر
کھرا سکہ ہے اب تک چل رہا ہے



غـــزل

جنہیں قدرت نے بخشا ہی نہیں اندازِ رندانہ
نہ جانے کیوں انہیں سونپا گیا ہے نظم میخانہ
پلانی ہے تو اے ساقی پلا مخمور آنکھوں سے
ہمیں درکار ہے شیشہ نہ مینا اور نہ پیمانہ
ہم اہل دل کہیں بھی ہوں محبت کے پجاری ہیں
ہمیں ہیں عظمت کعبہ ہمیں ہیں شانِ بتخانہ
ہمیں نے ہر اشارے پر تمہارے جاں تک دیدی
ہمیں سے تم نے رکھا ہے تعلق کیوں رقیبانہ
کبھی عنوان بدلے ہیں، کبھی کردار بدلے ہیں
کبھی بدلہ نہیں لیکن دلوں کے غم کا افسانہ
چمن میں ہر گھڑی ہر پل گلوں کے ساتھ رہتا ہوں
مگر پھر بھی جہاں والے مجھے کہتے ہیں بیگانہ
مری دیوانگی سمجھے کوئی تو ہوش مندی ہے
وہ دیوانے ہیں گوہر جو مجھے کہتے ہیں دیوانہ



غــــزل

شبنمی قطروں کو سیلاب بنانا ہوگا
عرشِ خورشید کی کرنوں کو جگانا ہوگا

اپنے دامن میں لیے پھرتا ہوں جگنوں لاکھوں
اک نیا چاند مجھے اور بنانا ہوگا

روشنی کی ہے ضرورت تو لہو سے اپنے
گھر کے بے نور چراغوں کو جلانا ہوگا

کون آئے گا ہمیں کوئی سہارا دینے
خود سفینہ ہمیں ساحل سے لگانا ہوگا

حوصلوں کو بھی نیا عزم سفر دینا ہے
تھک کے جو بیٹھ گئے ان کو اٹھانا ہوگا

باغباں ہم نہ سہی پھر بھی چمن کو اپنے
وقت کی گرم ہواؤں سے بچانا ہوگا

سر جھکا کر درِ محبوب پہ گوہر ہم کو
حرم و دیر کے جھگڑوں کو مٹانا ہوگا



غــزل

کیا کیا ستم ظریفی دکھانے لگے ہیں لوگ
پانی کو ٹھنڈی آگ بتانے لگے ہیں لوگ

خوشبو کو قید کرنے کی دُھن میں ہیں رات دن
باد صبا کو گھر میں چھپانے لگے ہیں لوگ

کس درجہ عقل وہوش کا میعار گر گیا
نا اہل کو بھی اہل بتانے لگے ہیں لوگ

جب دھوپ تھی تو دھوپ سے ڈرتا تھا ہر بشر
اب دھوپ کو بھی سر پہ بٹھانے لگے ہیں لوگ

کیا خوشگوار شہر غزل کی فضائیں ہیں
شعر و سخن سے غم کو بھلانے لگے ہیں لوگ

پہلے تو غم کو بانٹ کے کھاتا تھا ہر بشر
اب اپنے غم کو، آپ ہی، کھانے لگے ہیں لوگ

گوہر جو کل تھا آئینہ ہر ایک کے لیے
اب انگلیاں اسی پہ اٹھانے لگے ہیں لوگ



غـــزل

گھٹ کے رہ جائیں نہ آہیں مری
کوئی سنتا ہی نہیں باتیں مری

طفلِ مکتب کام پر جانے لگا
شاد ہوں یا رو پڑیں آنکھیں مری

کون جانے کب کھلے در آپ کا
تکتے تکتے تھک گئیں آنکھیں مری

آج چورا ہے پہ پھر بتی نہیں
رہ نہ جائیں ڈھونڈتی آہیں مری

کھول دو کمرے کی ساری کھڑکیاں
گھٹ رہی ہیں دوستوں سانسیں مری

مرا اپنا ریڈیو ہے کیا کہوں
وہ کبھی کہتا نہیں باتیں مری

کس لیے زندہ ہوں گوہر کیا کہوں
دور تک سنسان ہیں راہیں مری



غــــزل

کس کا راہِ دل سے آنا جانا روز ہوتا ہے
مجھے بھی ساتھ چلنے کا اشارہ روز ہوتا ہے

نشیمن کا بنانا، پھونکنا آنسو بہا لینا
تمہارے گلستاں میں یہ تماشہ روز ہوتا ہے

کہا تھا کس نے دریا کے قریں آباد ہو جانا
کناروں کا تو بننا اور بگڑنا روز ہوتا ہے

کہیں بوڑھے سسکتے ہیں کہیں بچے بلکتے ہیں
ہماری بستیوں میں یہ نظارا روز ہوگا ہے

کھلونے کس طرح لادوں، یہاں روٹی کے لالے ہیں
مرے بچوں کا رونا اور مچلنا روز ہوتا ہے

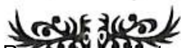
مرادیں ناچتی گاتی ہیں اور نغمے سناتی ہیں
خیالوں کے نگر میں ایسا میلہ روز ہوتا ہے

دبے پاؤں اُتر آتی ہے چھت پر چاندنی گوہر
ہمارے گھر کے آنگن میں اجالا روز ہوگا ہے



غــزل

پتھر کی دیواریں کاٹیں سے شیشوں سے ٹکرائے ہم
پھر بھی اپنی ڈگر نہ چھوڑی اتنے ہیں دل والے ہم
جن رستوں پر موت بچھی تھی ان رستوں سے گزرے ہم
منزل پر جب کچھ نہ پایا منزل سے پھر لوٹے ہم
دھوپ، چھاؤں، کی لاٹھی لیکر اونچے نیچے رستوں سے
عمر کی لمبی ڈور پکڑ کر تیرے گھر آپہنچے ہم
دل کو دل سے راہ، بہت تھی قربانی کی چاہ بہت تھی
آزادی کی ڈور پکڑ کر دے دکے "جھولے" جھولے ہم
میخانے میں بھیڑ لگی تھی، گھما گھمی، سی مچی ہوئی تھی
میخواروں میں شور مچا تھا پہلے ہم "جی" پہلے ہم
ان کی یادیں میری یادیں، یادیں لیکن پھر یادیں ہیں
یادوں کے اک اک جنگل میں جانے کتنا بھٹکے ہم
گوہر کی کچھ بات الگ ہے، پتھر کو گوہر کہتا ہے
گوہر کیا ہے پتھر کیا ہے ان باتوں پر الجھے ہم



غزل

ہر روش پر نئے گل کھلاؤں گا میں اور کوئی مجھے روک سکتا نہیں
تپتے صحرا کو گلشن بناؤں گا میں اور کوئی مجھے روک سکتا نہیں
وقت کی آندھیوں نے بجھایا جنہیں موت بنکر اندھیروں نے کھایا جنہیں
ان چراغوں کو پھر سے جلاؤں گا میں اور کوئی مجھے روک سکتا نہیں
لاکھ افسردہ ہوں لاکھ مایوس ہوں یا وہ کہنہ رواجوں سے مانوس ہوں
ایسے ذہنوں کو پھر سے جگاؤں گا میں اور کوئی مجھے روک سکتا نہیں
جنکا کردار ملتا ہو شیطان سے دیکھنے میں جو لگتے ہوں انسان سے
ایسے چہروں سے پردہ اٹھاؤں گا میں اور کوئی روک سکتا نہیں
زندگی بوجھ ہے زندگی کیلئے ہر نفس موت ہے زندگی کے لیے
سب کو ایسے میں جینا سکھاؤں گا میں اور کوئی مجھے روک سکتا نہیں
بھوک وافلاس ہو یا جہالت کہیں آپسی پھوٹ ہو یا عداوت کہیں
ہر طرح کے اندھیرے مٹاؤں گا میں اور کوئی مجھے روک سکتا نہیں
پتھروں میں بھی گوہر دمکتا ہوں میں بن کے ذروں میں سورج چمکتا ہوں میں
اپنے جیسا ہی سب کو بناؤں گا میں اور کوئی مجھے روک سکتا نہیں



غزل

میرا اصرار سا انکا انکار سا
ہو گیا بات کا بننا دشوار سا

تیرا منہ اس طرف، میرا منہ اس طرف
اس طرح ساتھ چلنا ہے بیکار سا

رنگ لائے اگر میرا دیوانہ پن
صحرا صحرا نظر آئے گلزار سا

مجھ کو لب تک ہلانے کی جرأت نہیں
تیری محفل میں بیٹھا ہوں لاچار سا

میری آنکھوں میں تو تیری آنکھوں مَیں میں
تجھ میں "مَیں" مجھ میں تو ہے گرفتار سا

آؤ مانگے دعا، امن کی خیر ہو
"تو بھی تلوار سا میں بھی تلوار سا"

جان لے لی عزیزوں نے گوہرؔ کی کیوں
وہ تو تھا آدمی ایک دلدار سا



غـــزل

اتنا آنگن بانٹ لو جتنے کے ہو حقدار تم
کیوں کھڑی کرتے ہو یا روں بیچ میں دیوار تم
کون کہتا ہے کہ اگلی چال میں ہی مات ہے
چال اب ایسی چلو کہ کاٹ دو ہر وار تم
کب تلک بیٹھے رہو گے خوف کے سائے تلے
جو نہیں گرتی گرادو ریت کی دیوار تم
جبکہ رہنا بھی یہیں ہے مرنا جینا بھی یہیں
کیسی گھبراہٹ ہے پھر بیٹھے ہو کیوں بیزار تم
نوکری اس دور میں ملنی بہت دشوار ہے
چھوڑ کر یہ کشمکش کرلو کوئی بیوپار تم
کب تلک بیٹھے رہو گے چھپ کے گھر میں رات دن
کام پر جاؤ کہو نہ ہو گئے بیکار تم
کل تلک تو خود خریدا کرتے تھے گوہر مگر
بیچنے کو آج گوہر چلدئے بازار تم



غـــزل

ہمارے پاس جو کچے چنے ہیں
مزہ اب بھوک میں دینے لگے ہیں
جنہیں لوٹا خزاؤں نے چمن میں
انہیں پیڑوں پہ پھل آنے لگے ہیں
پرانے وقت کے سکے ہیں جتنے
سدا بازار میں چلتے رہے ہیں
ہمیں رہنا پڑے گا ان گھروں میں
جلے سے 'ادھ جلے' سے جو بچے ہیں
چراغوں نے اجالے سب کو بانٹے
اندھیرے کیوں مرے گھر آبسے ہیں
مری آواز کی تہہ تک تو جاؤ
مرے دل میں بہت طوفاں چھپے ہیں
گہر کی آرزو میں آج گوہرؔ
بہت لوگوں کے ایماں بک رہے ہیں



غـــزل

اپنی توبات، بات تھی، اک بات کی طرح
پراس نے نوٹ کرلی بیانات کی طرح

مزدور ہوں میں بھوکا بھکاری نہیں کوئی
اجرت مجھے نہ دیجئے خیرات کی طرح

آئینہ کوئی ساتھ ہمارا نہ دے سکا
بدلا ہوا ہے؛ آج کے حالات کی طرح

ارماں جواں ہوئے تھے جو پلکوں کی چھاؤں میں
اشکوں میں ڈھل کے بہہ گئے برسات کی طرح

سر کر لئے ہیں چاند ستارے تو کیا ہوا
پامال پھر ہیں کہنہ روایات کی طرح

دل صاف ہوگیا ہو تو تشریف لائیے
پھر ہم ملیں گے پہلی ملاقات کی طرح

چُن چُن کے ان سے بھر لے مرادوں کی جھولیاں
گوہرؔ زمیں پہ بکھرے ہیں ذرّات کی طرح



غـــزل

کس بلا کی اٹھی چار سو آندھیاں، آندھیاں آندھیاں
ڈھونڈتے ہیں پرندے سبھی آشیاں آشیاں آشیاں

رنگ سب نے چرائے بہت اپنے گھر بھی سجائے بہت
ہاتھ پھر بھی نہ آئی کبھی کہکشاں کہکشاں کہکشاں

پھونک ڈالا ہے کس نے چمن کس نے پھولوں میں بھر دی اگن
کس لیے پھر بھی ہے بے خبر باغباں باغباں باغباں

اس پہ کچھ بھی اثر نہ ہوا اس نے کوئی صلہ نہ دیا
پھر بھی کہنے کو کہتے رہے داستاں داستاں داستاں

چاند تارے ہمارے ہوئے انکے ہم وہ ہمارے ہوئے
رہ گیا ہاتھ ملتا ہوا آسماں، آسماں، آسماں

ہر طرف شور ہی شور ہے یعنی آواز کا زور ہے
ورنہ انصاف رہتا ہی کیوں بدگماں بدگماں بدگماں

نام کوئی نہ باقی رہا کوئی ساغر نہ ساقی رہا
میکدہ جس کو کہئے گوہر اب کہاں اب کہاں اب کہاں

غـــزل

فلک کچھ بھی نہیں بس اک خلاء ہے
زمیں پر ہی کہیں میرا خدا ہے

وہ ایک انسان جو مجھ میں چھپا ہے
نہ جانے کیوں مجھے ہی ڈھونڈتا ہے

نہیں پھونکا ہے غیروں نے میرا گھر
جلا کر راکھ اپنوں نے کیا ہے

میری باتیں ہیں میرے دل کی باتیں
میرا کردار کب مجھ سے جدا ہے

سمجھ لے کیا ہے جنت اور دوزخ
تیرے اعمال کا اک آئینہ ہے

کہا جس کو ہمیشہ میں نے اپنا
وہی اب دوستو مجھ سے خفا ہے

ہواؤں میں نہیں اڑتا وہ گوہر
جسے اوقات کا اپنی پتہ ہے



غزل

پھول کاغذی، تو مہکے گا آخر کب تک
غیروں سے خوشبو مانگے گا آخر کب تک

چھوٹا بچہ، نہیں پڑھے گا آخر کب تک
برتن دھوکر پیٹ بھر گیا آخر کب تک

سایہ دیکر بھی وہ پتھر کھاتا ہے
بوڑھا برگد ظلم سہے گا آخر کب تک

کب تک وہ نہ سامنے آئیں گے میرے
یہ دروازہ بند رہے گا آخر کب تک

مٹی کا یہ ننھا دیپک میرے گھر کے
اندھیاروں کو دور کرے گا آخر کب تک

میرے گھر کی دیواریں یہ کہتی ہیں
ہم پہ "لِنٹر" ٹھہر سکے گا آخر کب تک

نقلی گوہر بنا بناکر بیچے ہیں
گوہر گوہر رہ پائے گا آخر کب تک

غــــزل

ہم آئے باز اس کی رہبری سے
جو رستہ پوچھتا ہو ہر کسی سے
تمہیں معلوم کیا روٹی کی قیمت
ذرا پوچھو تو! بھوکے آدمی سے
ہر اِک سو گولیاں چلنے لگی ہیں
میں گھر جاؤں تو جاؤں کس گلی سے
ابھی تو دور ہے اس کا ٹھکانہ
جبیں جھکنے لگی ہے کیوں ابھی اسے
نکالو مجھ کو اس اندھے کنویں سے
اجالا کہہ رہا ہے تیرگی سے
تمہیں اک روز مرنا ہے ضروری
کبھی سوچا بھی ہے سنجیدگی سے
جو نیلم آپ نے پہنا ہے گوہرؔ
اثر دکھلا رہا ہے وہ ابھی سے



غــــزل

نقش پایوں چرا لے گئے
خاک در کی اٹھا لے گئے

لاکھ گھر میں سفیدی ہوئی
پھر بھی دل کے نہ جالے گئے

وہ خریدا نہیں جاسکا
کتنے سکے اچھالے گئے

بعد مرنے کے کچھ یار تو
"بوریا" تک اٹھالے گئے

امن کے نام پر شہر میں
کچھ جنازے نکالے گئے

کرکے ثابت وہ مجرم مجھے
اپنا دامن بچالے گئے

ہاتھ آیا نہ کوئی گہر
کتنے ساگر کھنگھالے گئے



غــــزل

مال ودولت کچھ نہیں، یہ شان وشوکت کچھ نہیں
سب دکھاوا ہے زمانے کا حقیقت کچھ نہیں

یہ میرے ہاتھوں کا فن ہے، یہ میری محنت کا پھل
میرے اپنوں اور پرکھوں کی بدولت کچھ نہیں

جودیا تونے ہمیں وہ کرلیا دل سے قبول
زندگی ہم سے تجھے اب تو شکایت کچھ نہیں

سب تیرے کرموں کے پھل ہیں، یا تیرے اعمال ہیں
تہمتیں قسمت پہ کیوں رکھتا ہے قسمت کچھ نہیں

میں نے پانی پی لیا، بچوں نے پانی پی لیا
اب ندی توسوکھ لیا تیری ضرورت کچھ نہیں

کس نے لوٹی چاندنی، کسی کا وہاں پر چاند تھا
کون بتلائے گا اب اس کی ضرورت کچھ نہیں

جس جگہ چاہیں گے اس کا نام لے لیں گے گوہرؔ
دیروکعبہ اور کلیسہ کی ضرورت کچھ نہیں



غـــزل

ایسا بھی دل خدا یا کسی کو عطا نہ ہو
جس دل میں کوئی جوش کوئی ولولہ نہ ہو
خاموش کرگئی ہے اسے مصلحت کوئی
ایسا بھی کچھ نہیں ہے کہ وہ بولتا نہ ہو
مجھ کو نہ آرزو ہے نہ خواہش پھلوں کی ہیں
سایہ ہمارے پیڑ کاہم سے جدا نہ ہو
تصویر مجھ کو ایسی مصوّر بناکے دے
منظر سفید وسرخ ہوں، کالی گھٹا نہ ہو
دیکھیں ہر ایک شخص کو ہم اس کی شکل میں
اور سامنے ہمارے کوئی آئینہ نہ ہو
تصویر اس کی دل سے لگاؤں تو کس طرح
ڈرتا ہوں آس پاس کوی دوسرا نہ ہو
کیا مجھ سے پوچھتے ہوکہ گوہر کہاں گیا
انگشتری کو دیکھئے اس میں چھپا نہ ہو



غــــزل

گاؤں کی پگڈنڈیوں کو ہوگیا کیا
راستے نے راستوں کو کھالیا کیا

کانپتی رہتی ہیں یہ پل پل سبھی
گھر کی دیواروں میں آخر بھر دیا کیا

ہیں سبھی بے چین ہوجائیں الگ
تم نے گلدستہ میں لاکر رکھ دیا کیا

پھول کے کاندھوں پہ کتنا بوجھ ہے
پیڑ کی ان ڈالیوں کو ہوگیا کیا

دیپ ہے 'لو' ہے پتنگے کیوں نہیں
جلنے والوں کا نہ جانے بن گیا کیا

روشنی گھر میں میرے آتی نہیں
اِن پرُانی کھڑکیوں کو ہوگیا کیا

قید ہے گوہر ابھی تک سیپ میں
وہ گنہگاروں کی صف میں آگیا کیا



غزل

آپس میں جھگڑا کروانا کوئی اچھی بات نہیں
ناحق سب کی ہنسی اڑانا کوئی اچھی بات نہیں
ٹوٹی کشتی دور کنارہ مشکل اس کا پار لگانا
اس پر مانجھی کا سوجانا کوئی اچھی بات نہیں
تم نکلے کتنے ہرجائی ناحق مجھ سے آنکھ چرائی
نہ ملنا نہ ہنسنا گانا کوئی اچھی بات نہیں
گھر میں کچھ بھی پکا نہیں ہے بچوں کو کچھ ملا نہیں
گھر گھر جا کر یہ بتلانا کوئی اچھی بات نہیں
اسکی لڑکی کہیں گئی ہے، کیوں کہتے ہو بھاگ گئی ہے
ایسی افواہیں پھیلانا کوئی اچھی بات نہیں
آج گلی میں شور مچا ہے کس نے مارا کون مرا ہے
مذہب کی رو میں بہہ جانا کوئی اچھی بات نہیں
یہ بھی گوہر وہ بھی گوہر میں بھی گوہر تم بھی گوہر
گوہر کو پتھر بتلانا کوئی اچھی بات نہیں



غـــزل

اُسے ناز تھا اپنی عقل وخرد پر خطاوارہ وہ بے خطا کس لیے ہے
اسی نے دیا خونِ گلشن کو اپنا ،وہی آجکل بے وفا کس لیے ہے

بھرے شہر نے اس پہ پتھر اچھالے ،گریبان ودامن سبھی پھاڑ ڈالے
زباں کھینچ لی، منہ سے چھینے نوالے ،خلاف آج اسکے ہوا کس لیے ہے

نہ بخشی ہے مسجد، نہ بخشا ہے مندر نہ گوردوارہ چھوڑا نہ چھوڑا کلیسا
جو ماہر ہے مانا ہوا رہزنی میں ہمارا وہی رہنما کس لیے ہے

اسی نے بجھایا تھا جلتے گھروں کو، کیا صاف کانٹے بھرے راستوں کو
ملایا تھا آپس میں سب فاصلوں کو، اُسی پہ عذاب وسزا کس لیے ہے

ہیں ویران گلیاں سڑک سُونی سونی، مکاں جڑے اجڑے دُکاں خالی خالی
دماغوں میں اُلجھن ہے چہروں پہ حیرت مرے شہر کی یہ دشا کس لیے ہے

پھلیں اور پھولیں سدا آشیانے سبھی، لوگ گائیں خوشی کے ترانے
مگر کیوں نظر لگ گئی اے زمانے دعا خیر کی بددعا کس لیے ہے

نہ پتھر ہے پتھر نہ گوہر ہے گوہر نہ دنیا میں باقی ہنر اور جوہر
ہوا ہے یہ کیوں حال دنیا کا ابتر، خفا ہم سے جانے خدا کس لیے ہے



غـــزل

منتظر ہیں لوگ کرسی پر ہے نظر آتا کون
دیکھو اپنے نام کی اب تختی لگواتا ہے کون

سب اٹھاکر گردنیں چلتے ہیں یوں تو شہر میں
دیکھنا اب یہ ہے مقتل کی طرف جاتا ہے کون

جس قدر چاہیں گرادیں قبر میں مٹی مگر
دوست اور دشمن کو اب پہچاننے آتا ہے کون

خون کے دھبے ہیں یہ تم پھول نہ ان کو کہو
یہ تو مقتل ہے یہاں پر باغ لگواتا ہے کون

جب میں آیا اس جہاں میں ہنس کے نہلایا گیا
اور اب میں چلدیا تو ہنس کے نہلاتا ہے کون

جب گھڑا خالی ہے اسمیں ساز ہیں آواز ہے
بعد بھرنے کے یہ سُر یہ ساز لیجاتا ہے کون

لاؤ خنجر دوستو دکھتی رگوں کو کاٹ لوں
دیکھنا ہے آج گوہر کام یہ کرتا ہے کون



غـــزل

سنالے جتنے چاہے سوچنا کیا
مقالے جتنے چاہے سوچنا کیا
تمنا آرزوؤں کے گھروندے
بنالے جتنے چاہے سوچنا کیا
لباس زیست پر چاندی کے تمغے
سجالے جتنے چاہے سوچنا کیا
نہ ہوں گے ہم، تو ہم سے اور ہوں گے
مٹالے جتنے چاہے سوچنا کیا
جو ممکن ہو مٹا، دامن سے دھبے
چھڑالے جتنے چاہے سوچنا کیا
چراغوں سے ہی ظلمت دور ہوگی
جلالے جتنے چاہے سوچنا کیا
تو اپنے دل کی ڈوری میں یہ گوہر
سجالے جتنے چاہے سوچنا کیا



قطعات

انعام تھانوی

ہے جو گوہر کا کلام حسنؔ و نظر 'زندگی'
جس کے نغموں سے ہے لطف و کیف آور زندگی
اس کا سنہ ہجری طباعت یہ لکھا انعام نے
طبع ہوا مجموعہ گوہر خوب پیکر زندگی

۱۴۱۹ھ

ہے عجب مجموعہ اشعار گوہر زندگی
جس میں ہے ان کی سلاست کی نمایاں شاعری
سال طبع عیسوی اس کا لکھا انعام نے
شائع ہوا مجموعہ زخشیدہ گوہر وزندگی

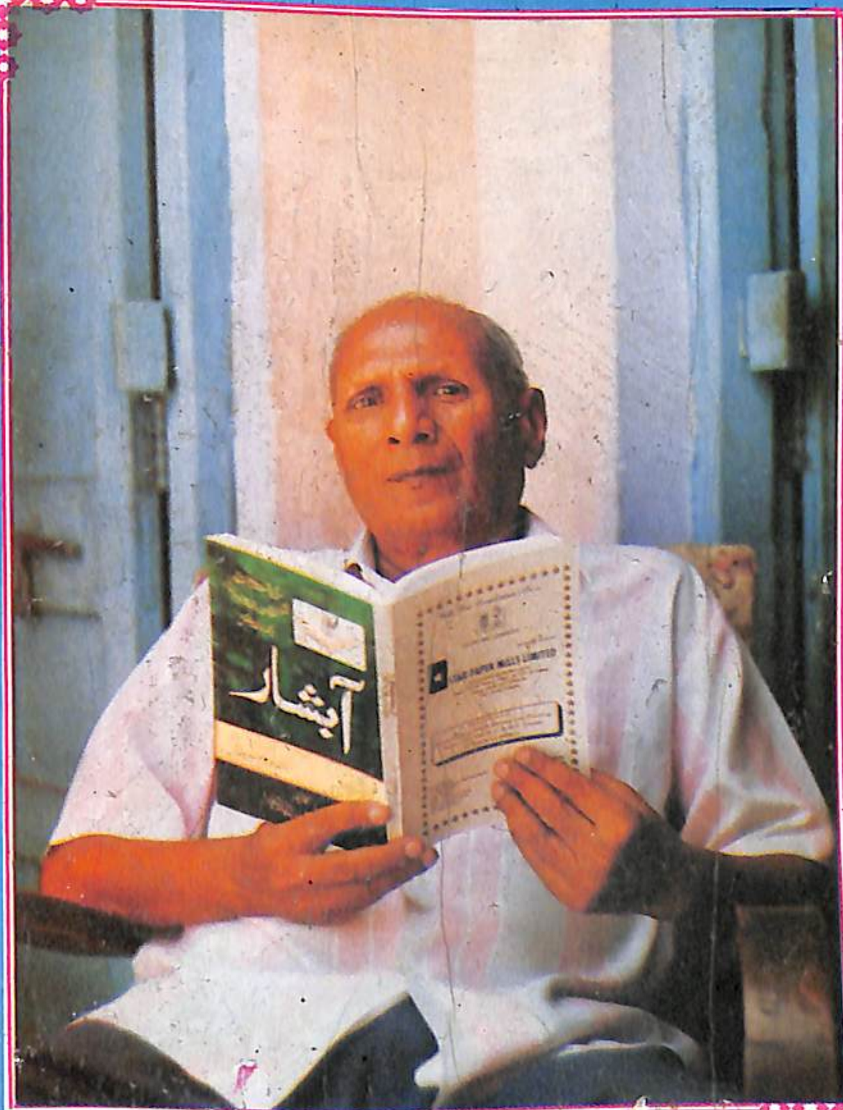
۱۹۹۸ء

انعام تھانوی

مرقوم کرکے تونے تفسیر زندگی کی
کھینچی ہے خوب "گوہر" تصویر زندگی کی
خونِ جگر پلاکر لفظوں کو اپنے گوہر
تیرے ہی دم نے کی ہے تعمیر زندگی کی

تحسین نظر

ज़िन्दगी



—गौहर 'राजवंशी'